328/ROP

سائبان

(محبوب حسین جگر)

بلندیاں اتر آتی تھیں جس کے آنگن میں
زمیں پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

صلاح الدین نیّر

جملہ حقوق بہ حقِ مصنّف محفوظ ہیں

تاریخ وسنِ اشاعت .... ۱۵ر اپریل ۱۹۹۸ء

تعدادِ اشاعت ۵۰۰

کتابت .... شفیع اقبال

طباعت .... اعجاز پرنٹنگ پریس۔
چھتہ بازار حیدرآباد۔

سرورق .... ریاض خوشنویس

ناشر .... صلاح الدین نیّر

مصنف : "کہکشاں" 7/824-3-11، حیدر گوڑہ پلی۔
حیدرآباد 500001ء

قیمت ۵۰ روپئے

انتساب

میں اس بھیگے ہوئے کاغذ پر لکھی گئی کتاب "سائبان" کو حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کی روشن علامت اور تہذیبی اقدار کی پاسداری کرنے والی اُس بے داغ شخصیت (سعید صاحب الفلاح) کے نام منسوب کر رہا ہوں جو ہماری شعری و ادبی تہذیبی و ثقافتی محفلوں کے لئے چشمۂ فیض رواں کی حیثیت رکھتی ہے۔

صلاح الدّین نیّر

سائبان

(محبوب حسین جگرؔ)

فردوس مکیں، مشفق و محترم جناب محبوب حسین جگرؔ صاحب کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال کا عرصہ ہوا۔ ۱۱؍ مارچ کو ان کی برسی تھی۔ میں جگرؔ صاحب کی صحافتی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی، فلاحی و شخصی زندگی پر ایک مختصر مضمون لکھنا چاہتا تھا لیکن جب لکھنے بیٹھ گیا تو مختصر مضمون، طویل ترین ہوتا چلا گیا اور پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اپنی اس برجستہ تحریر کو کتابی شکل دی جائے چنانچہ یہ طویل ترین مضمون کتابی شکل میں پیش ہے۔

جگرؔ صاحب کے سانحہ ارتحال کے بعد اُن کی ادبی و تہذیبی، علمی و صحافتی زندگی کے مختلف گوشوں پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے۔ آئندہ بھی بہت کچھ کہا اور لکھا جائے گا۔

مکتبہ جامعہ دہلی کے ترجمان 'کتاب نما' کی جانب سے محبوب حسین جگرؔ نمبر شائع ہو چکا ہے۔ ماہنامہ 'سب رس' کا ایک خصوصی نمبر بھی شائع ہونے والا ہے جس کے مطالعہ سے جگرؔ صاحب کی شخصیت کے بہت سے پہلو اُجاگر ہو جائیں گے۔ پھر بھی محسوس ہوگا کہ بہت کچھ کہنے کو باقی رہ گیا ہے۔

میں نے اس کتاب میں نہ صرف جگرؔ صاحب بلکہ عابد علی خاں صاحب

اور روزنامہ سیاست کے کارہائے نمایاں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

سنہ ۱۹۶۰ء سے ان دونوں محترم شخصیتوں کی طویل رفاقت کے دوران جو کچھ بھی میں نے دیکھا اور محسوس کیا ہے، پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس کتاب میں شامل بہت سے واقعات کی پیش کشی میں ترتیب اور تسلسل کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ جو کچھ بھی مجھے یاد آتا گیا قلم برداشتہ لکھتا گیا۔ پوری کتاب کا مسودہ میں نے ۴، ۵ نشستوں میں لکھا ہے۔ اگر میں ترتیب کا خیال رکھتا تو کتاب کی اشاعت میں کافی وقت لگ جاتا۔ چونکہ مجھے تاثرات کی پیش کشی سے غرض ہے اسلئے یہ کتاب سیدھے سادے انداز میں لکھی گئی ہے۔ تصنع اور روایت سے ہٹ کر یہ کوشش کی ہے کہ جس طرح میں نے جگر صاحب کو دیکھا ہے اُسی طرح پیش کروں۔ دراصل یہ کتاب نذرِ عقیدت کے طور پر لکھی گئی ہے۔ جس میں ان کی شخصیت کے اُن پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جو عام آدمی کی نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ میں نے بہت سارے واقعات کے ساتھ اُن حضرات کا بھی ذکر کیا ہے جن کے بارے میں جگر صاحب اظہارِ خیال کیا کرتے تھے بہت سے واقعات تو چشم دید ہیں۔ یہ کتاب لکھ کر میں نے اپنی دیرینہ رفاقت کا اپنی حیثیت کے مطابق حق ادا کرنے کی پُر خلوص کوشش کی ہے اگر میں زیادہ غور کرتا تو ممکن تھا کہ کچھ اور واقعات کو ضبطِ تحریر میں لاتا۔ اُن کی کرم نوازیوں کا اور تذکرہ کرتے۔

سچ تو یہ ہے کہ میں نے جن واقعات، مشاہدات و تجربات

کو پیش کیا ہے وہ جگر صاحب کی طویل خدمات کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ لیکن میں مطمئن ہوں کہ اپنے جذبات کی تسکین کے لئے فیض جاریہ کی شکل میں جو کچھ بھی مجھے سیاست، جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب سے ملا ہے، قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔

میں دست بہ دعا ہوں کہ خدا جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

خراج عقیدت کے طور پر یہ شعر نہ صرف عابد علی خاں صاحب بلکہ محبوب حسین جگر صاحب کی شخصیت کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

بلندیاں اتر آتی تھیں جھک کے آنگن میں

زمیں پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

صلاح الدین نیر

"کہکشاں" حیدرآباد۔

۱۵ اپریل ۱۹۹۸ء

کچھ لوگ دبے پاؤں اتنے قریب سے گزر جاتے ہیں کہ اُن کے قدموں کی آہٹ تک سنائی نہیں دیتی۔ البتہ اُن کے جسم کی خوشبو یہ احساس دلاتی رہتی ہے کہ کوئی ابھی ابھی یہاں سے گزرا ہے۔ لوگ آتے ہیں لوگ جاتے ہیں لیکن بعض لوگ کچھ ایسی بے مثال خوبیاں اور لازوال یادیں چھوڑ جاتے ہیں کہ جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا۔ ایسے نایاب لوگ ہمیں یہ احساس دلاتے رہتے ہیں کہ ہمارے وجود کا کوئی ایک حصہ ہم سے جدا ہو چکا ہے۔ حدتِ جذبات اور شدید احساسات کی کشمکش میں بھی آدمی تنہا ہو کر تنہا نہیں رہتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے شاید کسی کے پاس بھی اس کا جواب نہیں ہے۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کی زندگی کا ایک ایک پل اپنی بھرپور شناخت کے ساتھ ہمارے دل و جان میں پیوست ہو چکا ہے، ہم سے جدا ہو گئے ہیں یا ـــ بے تعلق ہو گئے ہیں۔ ہر دور میں ایسے مروت شناس، آئینہ صفت انسانیت پسند اور محبت نواز شخصیتیں یاد کی جاتی رہیں گی ـــــ ایسی ہی ایک محترم، شفقت نواز، فیض رساں شخصیت سے میرا واسطہ زائد از ۲۵ برس تک رہا۔ اگر میں اس دلنواز ہستی کی ایک ایک پل کی خوبیوں کو گنواتا رہوں تو میری زندگی کی ساری ساعتیں کم پڑ جائیں گی۔ (کافی نہیں ہوں گی) یہ کسی دیدہ ور نبض شناس، پُر وقار شخصیت دیکھتے ہی دیکھتے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

واقعتاً انسان کس قدر مجبور و بے بس ہوتا ہے۔ انسان زندگی کی ہر ادا

پر تو قابو پا چکا ہے لیکن موت کی بے رحمی پر قابو نہ پا سکا۔ پل بھر میں سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ سب کچھ بکھر جاتا ہے، کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن انسان ہے کہ سانس روکے ہوئے کھڑا رہ جاتا ہے۔ پل بھر میں سب کچھ چھن جاتا ہے۔ سب کچھ چلا جاتا ہے۔ ختم ہو جاتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ انسان کیسا تہی بن کر رہ گیا ہے۔

جناب محبوب حسین جگر جیسے اعلیٰ ظرف لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اپنے لوگوں کے عمدہ خصائل ان کی کرم نوازیوں کو وہی لوگ اچھی طرح جانتے ہیں جو ایک ایک پل کی قدر و قیمت جانتے ہیں اور جنہیں اپنی سانسوں کی آمد و رفت کی گنتی نہیں آتی اور جن کی ساری زندگی محسوسات کی مرہونِ منت رہا کرتی ہے اور وہ کہتے کم ہیں اور سنتے زیادہ ہیں۔ خدا جگر صاحب کو غریقِ رحمت کرے۔ جگر صاحب زندگی کے ہر موڑ پر مشعل راہ بن کر جلوہ گر ہوتے رہیں گے

آج جب میں اپنے محسن کے ساتھ گزرے ہوئے ایک ایک لمحہ کے بارے میں لکھنے بیٹھ گیا ہوں تو ایک ایک بات خوشبو کے تازہ جھونکوں کی طرح ان کی رفاقت میں گزرے ہوئے دنوں کو خراج پیش کر رہی ہے۔ جگر صاحب اپنے دورِ صحافت میں سینکڑوں لوگوں کو فیضیاب ہونے کے مواقع فراہم کرتے رہے فیض پہنچاتے رہے ——— سینکڑوں لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ ان کی پہچان کیا ہے ——— ان کی کرم فرمائیوں سے سرفراز کیے جانے والے لوگ کائنات کے کسی بھی حصہ میں کیوں نہ ہوں وہ اپنی ذہنی و فکری کیفیات سے گزرتے ہوئے شفاف آئینوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ جگر صاحب کو ادراک

تھا کہ وہ لوگوں کی حرکیاتی زندگی پر نظر رکھتے تھے۔ اگر اُن سے کچھ کام لینا ہو تو اُن سے حسبِ استطاعت کام لیا کرتے تھے۔ صحیح شخص کو صحیح منصب پر فائز کرتے تھے ــــ وقتاً فوقتاً اُن کے کام کا جائزہ لیتے رہتے۔

یہ کوئی ۳۷ برس (۱۹۷۰ء) پہلے کی بات ہے کہ میں اپنے کالج کی ادبی انجمن کی ایک نیوز سیاست میں اشاعت کے لئے لے آیا تھا۔ میں اُن دنوں اُردو کالج کی بزمِ اُردو ادب کا صدر تھا۔ اُس وقت سیاست کا دفتر، سیاست کی قدیم عمارت کے روبرو ٹین شیڈ میں تھا ــــ جناب عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست اور شیشہ و تیشہ کے کالم نگار نامور شاعر جناب شاہد صدیقی بھی موجود تھے۔ میں اپنے تعارف کے بعد اشاعت کے لئے نیوز، جگر صاحب کے حوالے کر ہی رہا تھا کہ جگر صاحب نے شاہد صدیقی سے کہا کہ شاہد تم انہیں جانتے ہو، یہ صلاح الدین نیر ہیں۔ اُردو کالج کی بزمِ اُردو کے صدر ہیں۔ انہیں شعر و ادب سے دلچسپی ہے، شاعر بھی ہیں۔ میں ان کی صلاحیتوں سے واقف ہوں۔ میں انہیں سیاست سے وابستہ کرنا چاہتا ہوں۔ جگر صاحب نے اُسی وقت محفلِ شعر کی ذمہ داری سونپی ــــ (مجھ سے پہلے محفلِ شعر شاہد صدیقی صاحب کی نگرانی میں ترتیب دی جاتی تھی۔) یہیں سے میری وابستگی کا آغاز ہوا۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں، میں اُردو کالج میں بی۔ او۔ ایل کا طالبِ علم تھا۔ اُن دنوں اُردو کالج کی ادبی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ اُردو ہال، ادبی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُسی دوران بین کلیاتی اُردو فیسٹول منعقد ہوا تو میں بلا مقابلہ مشاعرہ

کا کنوینر منتخب کیا گیا۔ صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ پروفیسر عبدالقادر سروری سرپرستِ اعلیٰ تھے۔ ان دنوں ڈاکٹر حسینی شاہد اُردو کالج کے پرنسپل تھے۔

محفلِ شعر کی ترتیب کے لئے میں ہفتہ میں دو بار سیاست کے آفس جاتا۔ (کچھ دیر کے لئے) جب جگر صاحب نے یہ محسوس کیا کہ مجھ کو شعر و ادب سے کچھ زیادہ ہی دلچسپی ہے تو اُنھوں نے سیاست میں مختلف نوعیت کی شعری و ادبی سرگرمیوں کو فروغ دینا شروع کیا۔ (یہ کام میرے ذمّے رہتا تھا)۔ سیاست کے ہفتہ وار کالموں میں اساتذۂ سخن اور نوجوان شعراء کا تعارف معہ کلام، بہترین اشعار کا انتخاب، اصنافِ سخن، موضوعاتی نظموں اور طرحی غزلوں پر انعامات، بیت بازی کے مقابلے، اس طرح شعری اور تہذیبی کئی اور سرگرمیوں کو بڑھاوا دیا جانے لگا۔ ایسی تمام شعری و تہذیبی سرگرمیوں کے لئے مجھے کنوینر بنایا جاتا۔ جگر صاحب اور عابد علیخاں صاحب کی سونپی ہوئی ذمہ داریوں کو میں خوش اسلوبی سے نہایت دیانتداری و ذمہ داری کے ساتھ بہ پابندیٔ وقت سرانجام دیا کرتا تھا۔ شعراء کے تعارفی سلسلے میں اُن کے کلام کے بہترین انتخاب کی اشاعت کا سلسلہ تقریباً ۴ سال تک چلتا رہا۔ یہ کالم ہر ہفتہ پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ جملہ ۱۲۴ شاعروں (محمد قلی قطب شاہ سے رئیس اختر تک) تعارفی سلسلہ (معہ تصاویر و منتخب کلام) جاری رہا۔ جگر صاحب کی بلاواسطہ نگرانی میں سارا کام میں انجام دیتا تھا۔ ایسے تمام کالم جگر صاحب کے ملاحظہ و منظوری کے لئے پیش کئے جاتے۔ مجھ سے متعلق سارا ادبی کام جگر صاحب ہی دیکھتے تھے۔ ادبی ٹرسٹ کا کام عابد علیخاں صاحب

دیکھتے تھے۔ (لیکن جگر صاحب ادبی ٹرسٹ کے کام سے بھی واقف رہتے تھے)۔ جگر صاحب کو میرے کام پر پورا اطمینان تھا۔ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ میں تفویض کردہ کام نہایت ذمہ داری سے کیا کرتا ہوں۔

جگر صاحب اور عابد علیخاں صاحب دل کھول کر میری پذیرائی کرتے تھے

سنہ ۱۹۶۰ء میں نظام کلب میں دو دن کل ہند مشاعرے ہوئے تھے۔ جگر صاحب نے مجھے دونوں مشاعروں کا معتمدِ مشاعرہ بنایا۔ ملک کے نامور شاعروں نے شرکت کی تھی۔ ان دنوں مشاعرہ کی کارروائی چلانے والے کو ناظمِ مشاعرہ یا کنوینرِ مشاعرہ نہیں کہتے تھے بلکہ معتمدِ مشاعرہ کہا جاتا تھا) ___ یہ دو مشاعرے نظام کلب کے انتظامیہ کی جانب سے منعقد کئے گئے تھے۔ پہلا مشاعرہ نظام کلب کے موجودہ بیڈ منٹن گراونڈ کے مقام پر ہوا تھا۔ دوسرا مشاعرہ کلب کے اندرونی ہال میں ہوا تھا۔

سنہ ۱۹۶۶ء میں ادبی ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا۔ پہلا کل ہند مشاعرہ ۷/مئی سنہ ۱۹۶۶ء نمائش کلب کے دائیں جانب گراونڈ میں ہوا تھا۔ جناب ایم۔چینا ریڈی، مرکزی وزیرِ فولاد، صدرِ مشاعرہ تھے۔ مشاعرہ میں نواب مہدی نواز جنگ بھی موجود تھے۔ بیکل اُتساہی اور مینا قاضی غالباً پہلی مرتبہ حیدرآباد کے مشاعرے میں آئے تھے۔ ادبی ٹرسٹ کے اس مشاعرے میں، میں نے بھی اپنا کلام سُنایا تھا۔ جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں ادبی ٹرسٹ کے آفس کی ذمہ داری سنبھالوں۔ اُس وقت عابد علیخاں صاحب نے فرمایا تھا، "مجھے کام کرنے والے بہت مل جائیں گے لیکن میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میں

چاہتا ہوں کہ یہ ذمہ داری تم سنبھالو۔ اور یہ کام اعزازی ہوگا (چونکہ ادبی ٹرسٹ شاعروں، ادیبوں کے لئے بنایا گیا ہے)۔ میں نے بلا تامّل فوراً کہہ دیا کہ میں ضرور یہ کام کروں گا اور اُس وقت تک کام کروں گا جب تک آپ کا مجھ پر اعتماد رہے گا۔ آج بھی میں اعتماد کی فضاء میں کام کر رہا ہوں۔ ادبی حلقے جانتے ہیں کہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کی آمدنی سے شہر کے مختلف اداروں کو خاطر خواہ امداد دی گئی ہے۔ (یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے)۔ جناب عابد علی خاں نے میرے ایک مجموعۂ کلام کی رسمِ اجراء کے موقع پر فرمایا تھا کہ نیّر کی صبح سیاست سے شروع ہوتی ہے اور شام یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی ایک بات جناب جگر صاحب نے کہی تھی۔ ــــــ سیاست سے وابستگی اور میری بڑھتی ہوئی شہرت و مقبولیت سے بعض شاعروں، ادیبوں کو مجھ سے بُغض للّٰہی ہو گیا تھا۔ جگر صاحب نے کچھ شاعروں کی موجودگی میں فرمایا تھا کہ میں نے نیّر کو اتنا تپایا ہے کہ وہ کُندن بن گئے ہیں۔ یہ بات ۱۹۶۵ء کی ہے۔ (جبکہ میرا پہلا مجموعۂ کلام "گلِ تازہ" شائع ہو گیا تھا) سیاست اور ادبی ٹرسٹ سے میرا اٹوٹ رشتہ بعض حاسدین کو کھلنے لگا تھا۔ ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن لاحاصل ثابت ہوا۔ جگر صاحب کہتے حاسدین کی پرواہ مت کرو تم اپنا کام کرتے جاؤ۔ یہ لوگ خود بہ خود ختم ہو جائیں گے۔ جگر صاحب نے پُر اثر انداز میں کہا تھا کہ تم ترقی کرتے جاؤ گے تمہاری عزت و شہرت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے۔ (ہم تمہارے ساتھ ہیں)۔ میں یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ ان ۳۷ برسوں میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک دن کے لئے

بھی سیاست سے میرا تعلق ختم ہوا ہو۔
ابتدائی برسوں میں ادبی ٹرسٹ کا بہت زیادہ کام تھا۔ میرے ذمہ سوائے
اکاؤنٹس کے ادبی ٹرسٹ کی مراسلت اور انتظامیہ سے متعلق دوسرا کام تھا۔
(اکاؤنٹس کا کام جناب عبداللہ اکاؤنٹنٹ سیاست دیکھ لیا کرتے تھے)۔ جناب عبداللہ
کے بعد جناب مصطفیٰ احمد صاحب اکاؤنٹنٹ سیاست نے یہ ذمہ داری سنبھال لی ہے۔ (آج بھی
وہ ادبی ٹرسٹ کے اکاؤنٹس کا کام دیکھ رہے ہیں)۔۔۔ ادبی ٹرسٹ کے آفس انچارج
کی حیثیت سے تمام متعلقہ فائلیں منیجنگ ٹرسٹی جناب عابد علیخاں کے ملاحظہ و تجویز کے لئے
پیش کیا کرتا تھا (اب جناب زاہد علیخاں منیجنگ ٹرسٹی کے پاس فائلیں پیش کی
جاتی ہیں)۔۔۔ مجھے سیاست سے متعلقہ تمام ادبی محفلوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ
کیا جاتا تھا۔ اور میں خوش دلی کے ساتھ کام کیا کرتا۔
جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب ہمیشہ مجھے اپنے با اعتماد معاون کی شکل میں دیکھتے
رہے۔ کبھی مجھے ملازم نہیں سمجھا۔ (ویسے میں ملازم تھا ہی نہیں، اعزازی طور پر سیاست
و ادبی ٹرسٹ سے وابستہ رہا اور اب بھی اعزازی طور پر وابستہ ہوں، ادبی ٹرسٹ
سے میں سواری الاونس بھی نہیں لیتا۔۔۔ اس طویل رفاقت کے دوران کبھی بھی ایسا
نہیں ہوا کہ دونوں محسنین مجھ سے کسی مسئلے پر بھی خفا ہوئے ہوں۔ ناراض ہوئے
ہوں۔ (میں نے انہیں ایسا موقع ہی نہیں دیا۔) ان کی توقع سے زیادہ میں اپنا
فرض منصبی انجام دیتا رہا۔۔۔ چونکہ میں سکریٹریٹ میں کام کرتا تھا اسلئے صبح
۹ ½ سیاست آفس پہنچ جاتا اور ۱۰ بجکر ۵ منٹ پر سکریٹریٹ کے لئے روانہ ہو جاتا۔

ایک دن پہلے جو کام ہوم ورک کی شکل میں میرے پاس ہوتا بعد تکمیل عابد علی خاں صاحب کے اجلاس پر رکھ دیتا۔ ہر روز صبح عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کے ساتھ چائے نوشی کا شرف حاصل ہوتا۔ اُس وقت زاہد علی خاں صاحب بھی موجود رہتے کبھی کبھی ہاشم سعید صاحب اور منور علی صاحب بھی رہتے۔ عابد علی خاں صاحب کے اجلاس پر اُردو اخبارات دیکھ لیا کرتا۔ اکثر دفعہ یوں ہوتا کہ جگر صاحب اخبارات دیکھنے کے لئے فرماتے۔ سیاست تو گھر میں ہی دیکھ لیا کرتا تھا۔ (سیاست کے انتظامیہ کی جانب سے تمام اسٹاف کے نام اخبار جاری کیا جاتا ہے)۔ موصولہ کی شکل میں جو "کاغذات" ادبی ٹرسٹ یا شعبۂ شاعری سے متعلق ہوتے جگر صاحب میرے حوالے کرتے۔ اخبار سے متعلق، شعر و ادب اور دیگر مسائل پر گفتگو آفس کے مسائل پر گفتگو ہوتی تو میں اُٹھ جاتا لیکن جگر صاحب کہتے تھے بیٹھ جاؤ۔ بعض باتیں ایسی بھی ہوتیں کہ جن سے وہ مجھے واقف کرانا چاہتے تھے۔ کبھی کبھی جگر صاحب کہتے تم ہم سے وابستہ ہو۔ اخبارِ سیاست سے وابستہ ہو، ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ کوئی تم پر حرف گیری نہ کرے، سیاست کا وقار کبھی متاثر نہ ہو ــــ شعراء اور ادیبوں کے خطوط جو مختلف مسائل سے متعلق ہوتے میرے حوالے کرتے جن پر میں نوٹ لکھتا اور بعض خطوط فائیل کی شکل میں محفوظ رکھتا۔ بعض راز کے لئے رکھی جاتیں۔ (جو شعر و ادب سے متعلق ہوتیں)۔ کبھی کسی حوالے کی ضرورت ہوتی تو میں فی الفور فائیل پیش کرتا۔ ان دونوں شخصیتوں کو پورا الیقین تھا کہ کوئی بات آفس سے باہر نہیں جائے گی۔ میں تمام متعلقہ کاغذات لے لیتا، اپنی الماری

میں رکھ کر سکریٹریٹ چلا جاتا۔ شام میں ۱/۲ ۵ بجے سیاست آجاتا۔ ۱/۲ ۶ بجے تک یعنی ایک گھنٹہ لازماً رہتا، فائیلس رکھ لیتا۔ زیادہ تر کام گھر لے جاتا۔ دوسرے دن صبح سیاست سے متعلق کام جگر صاحب کے حوالے کرتا اور ادبی ٹرسٹ سے متعلق کام عابد علی خاں صاحب کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتا۔ دونوں حضرات کے ملاحظہ کے بعد شام میں فائیلس حاصل کر لیا کرتا۔ اور حسب ہدایت کام چلتا رہتا۔ میں نے اپنے کام میں کبھی تساہل نہیں برتا۔

ایک دن یوں ہوا کہ میں شام میں ٹائپسٹ کو کچھ کاغذات دینے کے لئے سیکشن پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عابد علیخاں صاحب ایک کلرک کی طرح ادور ٹائزمنٹ سیکشن میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے بازو اشتہارات سیکشن کے انچارج جناب صدیقی صاحب تھے۔ میں نے دیکھتے ہی آپ ـــــ؟ عابد علی خاں صاحب نے فرمایا کوئی کام چھوٹا بڑا نہیں ہوتا کبھی کبھی آفس کا کام کلرک بن کر بھی کرنا پڑتا ہے تاکہ تمام اسٹاف کو یہ احساس ہو کہ ہم سب ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

عابد علی خاں صاحب ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ آفس کے تمام لوگ ایک ہی فیملی کے ہیں۔ شام میں آفس کے کام کے ساتھ ساتھ ملاقاتیوں اور شعراء و ادیبوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ شام میں جیسے ہی میں سیاست پہنچتا جگر صاحب کہتے "فریش ہو جاؤ، چائے پی لو۔ فوراً بل بجاتے ـــ چپراسی آتا، اور کہتے نیر صاحب کیلئے جلدی چائے لاؤ۔ یہ روز کا معمول تھا۔ اگر چائے آنے میں دیر ہوتی تو کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اپنے جیب سے پیسے نکالتے، چائے منگواتے، اس طرح چائے کی دو پیالیاں آجاتیں۔

(ایک دفتر کی جانب سے، ایک جگر صاحب کی جانب سے)۔ میں چائے کا انتظار کئے بغیر کام شروع کیا کرتا۔ کام کے دوران چائے پی لیتا۔ عابد علی خاں صاحب کے اجلاس پر صبح سے ہی اہل غرض حضرات، شاعروں، ادیبوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوتا۔ کوئی نہ کوئی کام لے کر یہ لوگ آتے۔ بعض مرتبہ باہر کے لوگ بھی آتے جن میں شاعر و ادیب، صحافی کے علاوہ سیاسی اور غیر سیاسی لوگ بھی ہوتے۔ بلا تخصیص مذہب و ملّت کئی لوگوں کی کامیاب سفارش کی جاتی۔ مناسب اور صحیح کام کے سلسلے میں سفارش کے لئے تامّل نہیں کرتے تھے۔

ادبی ٹرسٹ کے قیام ۱۹۶۶ء کے ایک ماہ بعد سے میں پابندی کے ساتھ صبح و شام سیاست جانے لگا۔ ادبی ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام کنارا بنک (عابڈس) پر ایک شوروم میں ایک بُک اسٹال قائم کیا گیا تھا جس کا میں انچارج تھا۔ شام میں سکریٹریٹ سے لوٹتے ہوئے بُک اسٹال کا جائزہ لیتا۔ (بُک اسٹال کی نگرانی اور اس کی تنقیح میرے ذمہ تھی)۔ حفیظ فضا بُک اسٹال پر رہتے۔ ان کے بعد مظہر مہدی بھی کچھ عرصہ کے لئے بُک اسٹال سے وابستہ رہے۔ سیاست کی ہر ادبی تقریب سے کسی نہ کسی طرح میرا تعلق رہتا۔

ادبی ٹرسٹ اور سیاست سے متعلق کام کے سلسلے میں تمام تعطیلات میں صبح ۱۰/۱/۲ تا ۴ بجے شام سیاست آفس میں موجود رہتا۔ (سوائے اتوار کے) تعطیلات میں تمام پینڈنگ کام تکمیل پا جاتا ـــــ جناب عابد علی خاں اور جگر صاحب کے ساتھ لنچ میں شریک رہتا۔ لنچ کے دوران مختلف موضوعات پر گفتگو

رہتی۔ شہر میں اُردو کے اداروں، ادبی جلسوں اور مختلف شاعروں، ادیبوں کے مسائل اور ان کی ادبی سرگرمیوں پر گفتگو رہتی ـــ کچھ برسوں کے بعد جب عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب عارضۂ قلب میں مبتلاء ہوگئے تو عابد علی خاں صاحب لنچ کے لیئے گھر جانے لگے۔ جگر صاحب تنہا رہ گئے تھے۔ جگر صاحب کی غذا نہایت مختصر تھی۔ صرف ایک یا دو چپاتیاں کھاتے تھے۔ کبھی دو شہ منگو لیتے۔

میں ادبی ٹرسٹ کے کام کے علاوہ جگر صاحب کی ہدایت پر سیاست اخبار کا کام کیا کرتا۔ کبھی کبھی مجھ سے سب ایڈیٹری کا کام لیتے تو کبھی رپورٹنگ کا اور کبھی مختلف ادبی و سیاسی شخصیتوں کے انٹرویوز کا کام لیا جاتا ـــ کبھی پریس کانفرنس میں بھیجا جاتا تو کبھی خبروں کی ترتیب کا کام لیا جاتا۔ چاہے وہ ادبی ٹرسٹ کا کام ہو کہ سیاست کا کام، میں نہایت ذمہ داری سے سرانجام دیتا رہا۔ میری فرض شناسی، دیانتداری اصول پسندی، سے بہت متاثر تھے۔ میرے ہر کام پر اعتماد کرتے تھے۔ عابد علی خاں صاحب کی راز کی فائیل کے علاوہ جگر صاحب کی بھی فائیل (شعر و ادب سے متعلق) میری تحویل میں رہتی۔ شعر و ادب اور شاعروں، ادیبوں کے مسائل سے متعلق اور اخبار سیاست کے بارے میں کاغذات محفوظ کیا کرتا۔ ایسے کاغذات پر جگر صاحب کی تحریر اس طرح ہوتی۔ نیّر صاحب "محفوظ" ـــ ایسے کاغذات بعض دفعہ ریفرنس کے طور پر بہت کام آتے۔ میں تمام امثلہ پاک صاف انداز میں ترتیب دیا کرتا تھا۔ کسی فائیل کی طلب ہو تو ایک دو منٹ میں پیش کر دیتا۔ میرے کام کرنے کا انداز ان دونوں شخصیتوں کو بے حد پسند تھا۔

میرا ہمیشہ یہ طریقہ رہا کہ میں نے آفس کے انتظامیہ اور اُس کے مسائل سے اپنے آپ کو دُور رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آفس کے معقولیت پسند اصحاب نے ہمیشہ میری قدر کی۔ آج بھی میں نے پُر وقار انداز میں اپنے مراسم کو برقرار رکھا ہے۔ ان دونوں حضرات کی معرفت سے میں نے کبھی غلط فائدہ نہیں اُٹھایا۔ میں نے مختلف اُمور میں کئی حضرات کی جائز سفارش کی۔ میری ہر سفارش کی پذیرائی کی جاتی رہی۔ چاہے وہ تخلیقات کی اشاعت کا مسئلہ ہو کہ کسی ادبی جلسہ کی رپورٹ کا مسئلہ ہو، ملازمت کے لئے کسی کی سفارش کی مدد کا مسئلہ ہو میں جگر صاحب سے کہہ دیتا اور الحمدللہ میری کوئی بات رد نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ میں ہمیشہ سیدھے۔ پاک صاف معاملات میں ہی دلچسپی لیتا تھا۔

جگر صاحب کی یہ عالت تھی کہ ۲۴ گھنٹے سیاست کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ اخبار کے ایک ایک لفظ پر غور کرتے۔ خبروں کی اشاعت میں ہمیشہ توازن کا خیال رکھتے تھے۔ سیاست کی غیر جانبدارانہ پالیسی پر آخر دم تک قائم رہے۔ جس کا ثبوت خبروں کی اشاعت کے علاوہ شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کی اشاعت سے بھی ملتا رہتا ہے۔ فاطمہ نسرین (شکاگو) کے مجموعہ کلام کی اشاعت پر حوصلہ افزاء روئیداد شائع فرمائی۔

پولس ایکشن کے بعد سے عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کا بڑا کنٹری بیوشن یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے یہاں کے مختلف مذاہب و تہذیب کے لوگوں کو منتشر ہونے نہیں دیا۔ اخبار اور اپنے شخصی مراسم کے ذریعہ حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب اور لسانی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے میں غیر معمولی کارنامے

انجام دیئے۔ ادبی جلسے اس بات کے گواہ ہیں کہ بلا تخصیص مذہب و ملت زبان و تہذیب تمام صاحب الرائے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتے تھے۔ انجمن ترقی اُردو کے جلسوں میں ہندی، تلگو، کنڑی، مرہٹی اور دیگر زبانوں کے دانشوروں اور اہلِ قلم حضرات سے تعاون حاصل کرتے۔ ان کی تخلیقات کے لئے سیاست کے کالم ہمیشہ کھلے رہتے۔ خاص طور پر اُردو، ہندی کے ملے جلے جلسوں، مشاعروں کو پسند کرتے تھے۔ اور ایسی شخصیتیں جو ملے جلے جلسوں سے دلچسپی رکھتی تھیں انہیں اپنا مکمل تعاون دیتے۔ ہمیشہ مجھے ہدایت کرتے کہ تم اپنے مشاعروں میں ہندی شاعروں کو لازمی طور پر مدعو کرو اور تم اُردو کے شاعر بھی ہندی کے مشاعروں میں شرکت کیا کرو۔ اس سلسلہ میں نیپال سنگھ ورما نے ہندی والوں کی جانب سے اہم رول ادا کیا ہے اور آج بھی یہ خوشگوار سلسلہ جاری ہے۔ اخبارِ سیاست میں ہندی شاعروں کا کلام دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ تلگو شاعری بھی اسی انداز سے شائع ہوتی رہی۔ خاص طور پر ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی کی تلگو شاعری اردو منظوم ترجمے کے ساتھ شائع ہوتی ہے (اخبار کی اس بنیادی پالیسی کی روشنی میں جناب زاہد علی خاں صاحب اس سلسلے کو پسند فرماتے ہیں)۔

جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب حیدرآبادی روایات کی ترجمانی کرتے ہوئے اُردو کے جلسوں سے ہٹ کر دیگر زبانوں کے جلسوں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے (ایسا خوشگوار سلسلہ، سیاست کی جانب سے آج بھی

جاری ہے۔ ان ہی حضرات کی فراخدلی اور مثبت رویّے کی وجہ سے آج حیدرآباد میں انسانی ہم آہنگی کی خوشگوار فضاء برقرار ہے۔

اخبار سیاست میں مختلف مذاہب کی تقاریب سے متعلق مضامین، خبریں اور شاعری شائع ہوتی رہتی ہے۔ عابد علیخاں صاحب اور جگرؔ صاحب ہمیشہ کہتے تھے کہ سیاست عوام کا اخبار ہے، ان کے مسائل کے لئے سیاست کے کالم کھلے ہیں۔ غالباً اردو کا یہ پہلا اخبار ہے جن میں ان باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

جگرؔ صاحب نے کل ہند مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں ہر ایک انجمن کے ساتھ [illegible] فرمایا۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے ہوں کہ شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعرے، شعراء کے انتخاب میں شخصی دلچسپی لیا کرتے۔ شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کی [illegible] ۲۵ برس پہلے عابد علی خاں صاحب اور جگرؔ صاحب نے شنکرجی مرحوم کے فرزند [illegible]ریندرا، غلام محی الدین جیلانی اور کے۔ یس۔ ریڈی اور دیگر ارباب نمائش سوسائٹی کے تعاون سے رکھی ۔ عابد علی خاں صاحب عارضہ قلب کی وجہ سے شنکر [illegible] مشاعرہ کی ذمہ داری سے کنارہ کش ہوگئے۔ اور پانچ برس سے نمائش سوسائٹی کے اصحاب اپنے طور پر مشاعرے منعقد کر رہے ہیں لیکن جگرؔ صاحب سے ان کی حیات تک مشاعرے کے سلسلے میں مشورہ کیا جاتا رہا۔

دلّی کے شنکر شاد مشاعروں کی طرح شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعرہ کا آغاز کیا گیا۔ شنکرجی جامعہ عثمانیہ کے ایک قابل فرزند تھے۔

جن کا ذریعہ تعلیم اُردو تھا اور دورانِ طالب علمی مختلف ادبی

سرگرمیوں سے اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ ان دونوں مشاعروں کے لئے میزبان شعراء کا انتخاب ایک مسئلہ بنا ہوا رہتا۔ مشاعرہ کی تاریخ کا تعین ہوتے ہی مجھ سے فرماتے مہمان شعراء کی فہرست بناؤ حالانکہ ایک فہرست عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کے ذہن میں رہتی ۔ جب فہرست پیش ہوتی تو عابد علی خاں صاحب سے مشاورت کی جاتی، مشاورت میں ہاشم سعید صاحب اور منور علی صاحب بھی شامل رہتے۔ لیکن قطعیت جگر صاحب دیتے۔ جگر صاحب کی قطعیت کے بعد شعراء کو مدعو کیے جانے کا کام شروع ہوجاتا۔ بعض میزبان شعراء ابتداء میں کلام سُنانا نہیں چاہتے تھے۔ اس خیال سے کہ مشاعرہ ابتداء میں جمتا نہیں تو عابد علی خاں صاحب نے فرمایا کہ تم میزبان اوّل کی حیثیت سے پہلے شاعر ہوں گے جو کلام سنائیں گے۔ چنانچہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے میں پہلے کلام سنانے والا شاعر میں ہی رہتا تھا۔ (آج بھی یہ روایت باقی ہے) جگر صاحب مہمان شعراء میں خاص طور پر ادبی شاعروں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے جب بھی فہرست بنتی تو سرفہرست مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری، خمار بارہ بنکوی، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، سکندر علی وجد، بیکل اتساہی وغیرہ کے نام دیتے۔ ان کے علاوہ بعض ایسے شعراء کو بھی مدعو کیا جاتا جو مشاعرے کے شاعر کہلاتے ہیں۔ مشاعروں میں چونکہ ہر قسم کے ذوق و معیار رکھنے والے سامعین ہوتے ہیں لہٰذا ان کے مذاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے شعراء کو مدعو کیا جاتا۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں ہندوستان اور پاکستان

کے اہم شاعروں کو مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ مہمان شعراء کو اچھا خاصا معاوضہ دیا جاتا۔ حیدرآباد میں ان کے قیام و طعام کا خاص خیال رکھا جاتا۔ مشاعروں کی ساری مراسلت زیرِ نگرانی جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب کے ہی انجام پاتی۔ ہر مراسلہ پر جناب عابد علی خاں کے دستخط ہوتے تھے۔ کبھی کبھی جگر صاحب کے دستخط سے بھی خطوط جاتے تھے۔ ایک ڈیڑھ ماہ قبل ہی مشاعرہ کی تیاریوں کا آغاز ہو جاتا۔ پہلے خطوط لکھے جاتے اس کے بعد ٹیلیگرام دیئے جاتے۔ اور آخر میں صرف اور صرف فون کے ذریعہ مہمان شعراء سے ربط رکھا جاتا۔ اور یہ سارے اخراجات ادارۂ سیاست برداشت کرتا (ادبی ٹرسٹ نہیں)۔ اشتہار بلا معاوضہ شائع ہوتے۔ شنکر جی کے مشاعرے کے علاوہ بعض دیگر اداروں کے جلسوں اور مشاعروں کے اشتہارات کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔

آج بعض شعراء جو عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں وہ صرف اور صرف سیاست، عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کی وجہ سے ہے۔ اخبارِ سیاست کے ذریعہ ان شعراء کو غیر معمولی پبلسٹی دی گئی۔ سیاست اخبار کی پبلسٹی کی وجہ سے بہت سے شعراء کو بیرونِ ملک کے مشاعروں میں مدعو کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے کسی اخبار میں اسی طرح کی پذیرائی نہیں ہوتی۔

حیدرآباد کا ہر اہم شاعر اپنا تازہ کلام سیاست میں چھپوا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔ جگر صاحب فرمایا کرتے تھے، مخدوم محی الدین اور خورشید احمد جامی کی ہر تازہ غزل سیاست میں شائع ہوتی ہے یہ بھی کہتے تھے امیر احمد خسرو

سید شہیدی اور علی احمد جلیلی، کی غزلیں بھی پہلے سیاست کے لئے آتی ہیں۔ سیاست
میں اشاعت کے لیئے ملک کے صفِ اوّل کے شعرائے کرام اپنی غزلیں روانہ کیا کرتے ہیں۔
سیاست کے ادبی ایڈیشن (اتوار - پیر) سے قارئین واقف ہیں۔ سینکڑوں
نئے لکھنے والوں نے سیاست کے اس خصوصی ایڈیشن کی وجہ سے اپنا ادبی مقام بنا
لیا ہے۔ با صلاحیت نئے لکھنے والوں کی سیاست نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی۔

ادبی جلسوں میں جانا ہو تو جگر صاحب مجھے اپنے ساتھ رکھتے۔ آفس میں
میری نشست ایسی جگہ رہتی ہے کہ اُن کی ایک ہی آواز پر میں اُن تک پہنچ جاتا۔
مجھے ہمیشہ نیّر کہہ کر پکارتے۔ کبھی کبھی نیّر صاحب بھی کہتے۔ کبھی سُن نہ سکا تو
عابد علی خاں صاحب نیّر کے بجائے نائم کہتے۔ ہنستے ہوئے محبت سے
شاعرِ اعظم کہہ کر مخاطب کرتے۔ میں نے سیاست کی اتنی طویل زندگی میں
کبھی بھی عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کو کسی مسئلہ پر کبھی ناراض ہونے
کا موقع نہیں دیا۔ ہمیشہ خوشگوار و اعتماد کی فضاء میں اپنا فرضِ منصبی
انجام دیتا رہا۔ جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب مجھے ہمیشہ اپنے چھوٹے
بھائی کی طرح چاہتے تھے۔ بے شمار کرم فرماؤں نے مختلف انداز سے میری شکایتیں
بھی فون پر کبھی شخصی طور پر اور کبھی خطوط کے ذریعہ کیں۔ لیکن اُنہوں نے کسی
بات کی پروا نہ کی، مجھ سے کہتے تم سے جلتے ہیں۔ تم کسی بات کی پروا نہ کرو
اپنا کام کئے جاؤ۔ ایسے خطوط تو عابد علی خاں صاحب کے خلاف بھی آتے ہیں۔
ہم پڑھتے ہیں اور پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں عابد علی خاں صاحب، جگر صاحب اور سیاست سے قربت کی وجہ سے چند شعراء

دانشوروں کو مجھ سے اللہ واسطے کا بیر ہو گیا تھا، میری شکایت کرتے تھے لیکن جگر صاحب سنی ان سنی کر دیتے۔ فضول باتوں کو کبھی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

جگر صاحب کہتے اضلاع کے شاعروں کو بھی اہمیت دینی چاہیے چنانچہ لازمی طور سیاست میں اضلاع کے شعراء کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ شہر کی بہ نسبت اضلاع کی ادبی خبروں کو اہمیت دیا کرتے تھے۔ تخلیقات کی اشاعت میں فراخدلی کا ثبوت دیتے تھے لیکن انتخاب سخت رہتا تھا۔ سیاست میں شائع کرنے سے پہلے ہر تخلیق جگر صاحب کی منظوری کے بعد ہی اشاعت پذیر ہوتی تھی۔ انہیں اعتماد تھا کہ سیاست کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا شخص ذمہ دار شخص ہے لیکن وہ اپنی گرفت کو کبھی کمزور ہونے نہیں دیتے تھے۔

ڈسپلن کے معاملے میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اُصول پسندی ان کا خاص وصف تھا۔ ہر معیاری کتاب پر تنقید و تبصرہ کے لئے موزوں اہل قلم کا انتخاب کرتے تھے۔ خیال رکھتے تھے کہ کوئی قابل اعتراض بات نہ ہو۔

جب جناب عابد علی خان کا انتقال ہوا۔ تو انتقال کے کچھ ہی دیر بعد غالباً ۵ بجے صبح کا وقت تھا جگر صاحب نے روتے ہوئے اطلاع دی کہ نیر عابد علیخاں صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اور فون رکھ دیئے۔ یہ سن کر مجھے کافی دھکہ لگا میں فی الفور عابد منزل پہونچا۔ عابد علی خاں صاحب کی علالت کے زمانے میں کبھی یونہی ملنے کے لئے چلا جاتا تو کبھی ادبی ٹرسٹ کی فائیل کے ساتھ۔ عابد علی خاں صاحب بیماری کے عالم میں بھی ادبی ٹرسٹ کے کام کو تعطل کا شکار ہونے نہیں

دیتے تھے ۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کی علالت کی وجہ سے کوئی کام متاثر ہو۔ جو لوگ دوسرے کے لئے جیتے ہیں اُن کی شان ہی نرالی ہوتی ہے۔

جگر صاحب سیاست کے ادبی ایڈیشن سے متعلق ہونے والے ادبی مقابلوں کا مجھے کنوینر بناتے جس کے فیصلے کی روشنی میں انعامات دیئے جاتے سارا کام ایمانداری کے ساتھ انجام پاتا۔ جس کو انکی خدمات کا معاوضہ دیا جاتا سیاست میں شائع ہونے والی ہر تخلیق کا معاوضہ دیا جاتا۔ اگر شاعری یا تبصروں سے متعلق معاوضہ ایصال شدنی ہو تو منیجر صاحب کے نام چٹھی بھجواتے۔ کسی تخلیق کار کو معاوضہ نہ دیا گیا ہو تو یہ میری ذمہ داری ہوتی کہ میں نوٹ لکھ کر جگر صاحب کے ملاحظہ میں پیش کردوں۔ جگر صاحب کی منظوری کے بعد معاوضہ کی رقم ایصال کی جاتی۔ سارا کام باضابطگی کے ساتھ تکمیل کو پہنچتا۔ سیاست توسیعی لکچر کے سلسلے میں نامور دانشوروں کو مدعو کیا جاتا۔ کل ہند مشاعروں کی تاریخ قریب آجاتی اور بعض شعراء کی شرکت غیر یقینی ہوجاتی تو مشاعرہ کا معیار برقرار رکھنے کے لئے ممبئی کی حد تک یوسف ناظم کو اور دلی کی حد تک مجتبیٰ حسین کو توجہ دلاتے ۔ ملک کے مختلف اُردو اخبارات میں اگر کسی مشاعرہ کی روئیداد شائع ہوتی تو پڑھتے، شعراء کے نام کے نیچے انڈر لائن کرتے۔ اشتہار محفوظ کر دیا جاتا۔ روئیداد پڑھنے کے بعد انہیں یہ اندازہ ہوجاتا کہ کونسا شاعر کس معیار کا ہے اور کس شاعر کو مدعو کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہر مشاعرہ میں ۲،۳ نئے شاعروں کو مدعو کیا جاتا ۔ سیاست کی مطبوعات

کے سلسلے میں بھی کافی دلچسپی لیتے۔ تاحال (۲۹) کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور یہ ساری کتابیں سیاست میں شائع شدہ مضامین پر مشتمل ہیں ۔۔۔

عابد علی خاں صاحب کے انتقال کے بعد جگر صاحب بُری طرح ٹوٹ گئے تھے۔ انتقال کے دو یا تین ماہ تک کام کرتے کرتے ایک سرد آہ بھرتے ہا ہا کرتے پھر خاموش ہو جاتے۔ عابد علی خاں صاحب کی جدائی ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ عابد علی خاں صاحب کے انتقال کے بعد ہی ان کی صحت بگڑنے لگی۔ کمزوری بڑھ گئی لیکن اخبار کے کام سے کبھی تساہل نہیں برتا بعض دفعہ خصوصی مضامین کی قرأت و سماعت کے دوران مجھ سے بار بار یہ فرماتے۔ حاضر دماغی کے ساتھ پڑھا کرو ایک لفظ کے آگے پیچھے ہو جانے سے بہت کچھ بگڑ جاتا ہے۔ پروف ریڈنگ پر بھی خاص توجہ کی ضرورت ہوتی ہے شاعری بھی بڑی توجہ سے پڑھتے اور سُنتے تھے۔ ایک ایک لفظ پر غور کرتے تھے۔ انتقال سے کچھ دن پہلے رمضان کے آخری دنوں میں ان کی بینائی کافی متاثر ہو گئی تھی۔ اخبار کے خصوصی نمبروں کے سلسلے میں مجھ سے شام میں مضامین سُنتے تھے۔ کوئی بات ہو تو کہتے یہ حصہ نکال دو۔ بعض دفعہ فکر و خیال کے شعر کے انتخاب کے لئے بھی مجھ سے کہتے کبھی اداریئے کی مناسبت سے مجھ سے فی البدیہہ شعر کہنے کے لئے فرماتے۔ میں کچھ ہی دیر میں ۵، ۶ شعر لکھ دیتا۔ اُن میں سے کوئی ایک شعر منتخب کرتے۔ اس طرح جگر صاحب سیاست اخبار کے ہر حصّہ کو مکمل شکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔ عید سے ۴ دن پہلے

شبِ قدر نمبر، عید نمبر اور سنڈے ایڈیشن کا کام بہ یک وقت آگیا تھا۔ اُن دنوں بہت چڑچڑے ہو گئے تھے۔ مزاج میں جھنجھلاہٹ آگئی تھی۔ بینائی متاثر ہونے سے پریشانی رہا کرتے تھے۔ اپنے آپ کو بہت مجبور پاتے تھے ڈاکٹر شیام سندر ان کے معالج تھے۔ ایک دفعہ جگر صاحب نے کام کے دباؤ پر مجھ سے فرمایا مجھے مرنے تک کام کرنا ہے۔ عید سے ایک دن پہلے جگر صاحب کی صحت خراب ہو گئی۔ دل کا عارضہ ستانے لگا تھا۔ تقریباً ایک ماہ دواخانے میں رہے آخر کار اس نیک صفت قلندر مزاج، شریف النفس انسانیت کے پیکر نے ہم تمام کو تنہا کر کے عاقبت کی راہ لی۔ میں گھر میں ہی تھا ۵ بجے کے لگ بھگ جناب شجاعت علی منیجر نے فون پر بتایا کہ جگر صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں اس صدمہ جانکاہ کی خبر سنتے ہی عابد منزل پہنچا بہ چشم نم جگر صاحب کا دیدار کیا۔ بہت سے سوگواروں کے قافلے میں شریک رہا۔

جگر صاحب علمی، ادبی و تہذیبی خبروں کی اشاعت کے سلسلے میں ہمیشہ فراخدلی کا ثبوت دیتے رہے۔ ان کا یہ نظریہ تھا کہ سیاسی خبروں کے ساتھ علمی و ادبی خبروں کو بھی اہمیت دی جانی چاہیئے۔ چنانچہ وہ اپنے اس طریقۂ کار پر ہمیشہ قائم رہے۔ شہر کی ادبی انجمنوں اور ان کی سرگرمیوں پر ان کی نظر رہتی۔ انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ شہر کی کونسی ادبی و علمی انجمن کس انداز سے کام کر رہی ہے۔ جو انجمن زیادہ سرگرم عمل ہے اُس کی سرگرمیوں کی تشہیر میں شخصی دلچسپی لیتے۔ اضلاع کی ادبی و علمی انجمنوں کی، اہلِ قلم حضرات کی سرپرستی کرنے میں بھی خوشی محسوس

کرتے۔ چاہے وہ کہیں کے کیوں نہ ہوں، عزت و توقیر کرتے۔ ان کی حوصلہ افزائی کیا کرتے۔ ہر ذہین و فطین نوجوان اہلِ قلم کی نگارشات خصوصیت کے ساتھ شائع کرتے۔ تہذیبی خبروں کے لئے بھی سیاست کے صفحات خیر مقدم کرتے۔ بے شمار گلوکاروں، فنکاروں کے تعارفی مضامین شائع ہوتے رہے۔ حیدرآباد کے جو نامور فنکار آج اپنی پوزیشن بنائے ہوئے ہیں ان کی شہرت میں سیاست کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ نوجوان قلمکاروں سے اصرار کرکے مختلف موضوعات پر مضامین لکھواتے اور انہیں اہتمام سے شائع کرتے۔ اُردو کے شاعروں کے ساتھ ساتھ ہندی کے شاعروں کی تخلیقات بھی شائع کی جاتی رہیں۔ خاص طور پر نہپال سنگھ ورما اور ڈاکٹر اندو وشسٹ کی شاعری زیادہ شائع ہوتی رہی ہے۔ مختلف تہوار کے موقع پر خاص خاص لکھنے والوں سے مضامین لکھواتے۔ عیدین کے موقع پر مضامین و شاعری کی اشاعت عمل میں آتی۔ تلگو شاعروں میں ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی کا کلام شائع ہوتا رہا۔ (ایسا سلسلہ آج بھی جاری ہے)۔ شہر کی ادبی انجمنوں سے قطع نظر کالجس اور جامعات کے ادبی جلسوں اور دیگر علمی و ادبی سرگرمیوں کی خبریں بھی اہمیت کے ساتھ شائع کی جاتی رہیں۔ جگر صاحب نے اپنی ذاتی محنت سے اخبارِ سیاست کو اس قابل بنایا کہ دوسرے اخبارات سے پہلے قارئین سیاست پڑھنے پر مجبور رہتے۔ ہر خبر اپنے اپنے مقام پر جگہ پاتی۔ قارئین کو اندازہ ہوتا ہے کہ کونسی خبر کس صفحہ پر ہوگی۔ سیاست اخبار نے اپنی ترقی پسندانہ روش سے کئی نوجوانوں کو روشن خیال بنایا۔ کوئی شاعر و ادیب

ایسا نہ ہوگا جس نے سیاست سے راست یا بالواسطہ استفادہ نہ کیا ہو۔ جگر صاحب سے جو بھی ملتا وہ مسرت محسوس کرتا۔ نہایت خوش دلی کے ساتھ لوگوں سے ملتے۔ اگر زیادہ مصروف رہتے تو کم کم بات کیا کرتے اور اگر فرصت ہو تو اپنے بازو بٹھا کر تفصیلی گفتگو کرتے۔ چاہے وہ شہر کے اصحاب ہوں کہ اضلاع کے یا بیرون شہر یا بیرونِ ملک کے ہوں۔ اضلاع کے شاعروں، ادیبوں، ایڈوکیٹ محب کوثر، عبدالرحیم آرزو، وہاب عندلیب، طیب انصاری (گلبرگہ)، عبدالقادر (ورنگل)، مرزا وحید بیگ، جمیل نظام آبادی (نظام آباد)، عبدالعزیز عزیز، نصر فاروقی، سلیم عابدی، جلال عارف (محبوب نگر)، محمود عشقی (ناندیڑ) پوری توجہ کے ساتھ بات کرتے تھے۔ ایسے حیدرآبادی نوجوان جو بیرونِ ملک میں مقیم ہیں ان کی آمد کی خیر مقدم، خیر سگالی کرتے، اُن کا انٹرویو لیا جاتا۔ ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ جگر صاحب عابد علی خاں صاحب کی حیات تک ادبی جلسوں میں کم کم جاتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ادبی جلسوں میں شرکت کرنے لگے۔ بڑے بڑے علمی، ادبی جلسوں کو مخاطب کرتے رہے۔ عابد علی خاں صاحب کی موجودگی میں جلسوں میں شرکت سے گریز کیا کرتے تھے۔ اُن کی یہ دلی خواہش ہوتی کہ عابد علی خاں صاحب زیادہ سے زیادہ شہرت حاصل کریں۔ شہر میں گزشتہ کئی برسوں میں جو بڑے بڑے ادبی جلسے ہوتے رہے ان میں سیاست کا اہم رول رہا ہے۔ علمی و ادبی جلسوں، تہذیبی و ثقافتی تقاریب کے لئے جگر صاحب بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ دفتر سیاست آنے والے (عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب سے ملنے والے) کبھی مایوس نہیں ہوتے

تھے۔ اُن سے مکمل تعاون کیا جاتا رہا۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ اگر اخبار سیاست کا تعاون ادبی انجمنوں کے ساتھ نہ ہوتا تو شائد کئی ادبی انجمنوں کی سرگرمیاں ماند پڑ جاتیں ۔ جگرؔ صاحب اور عابد علی خاں صاحب، اپنے ساتھیوں، ملاقاتیوں اپنے دوستوں کا ہمیشہ خیال رکھتے ۔ اپنے روابط کی پاسداری کرتے۔ سکندر علی وجدؔ، یوسف ناظم جیسے کئی عثمانین ہیں جن کی آمد سے خوش ہوتے ۔ شہر کے شاعروں، ادیبوں خاص طور پر امجدؔ حیدرآبادی، صفیؔ اورنگ آبادی، علامہ حیرتؔ بدایونی، مخدوم محی الدین، شاہدؔ صدیقی، خورشید احمد جامیؔ، اوجؔ یعقوبی، علی احمد جلیلی، سعید شہیدی، امیر احمد خسروؔ، سلیمان اریبؔ، شاذ تمکنت کے قدرداں تھے ۔ اشفاق حسین میر حسن، ہاشم علی اختر، راج بہادر گوڑ اور ایسے ہی بعض اہلِ قلم ہیں جن سے دوستانہ مراسم تھے ۔ جن کی اہمیت کو محسوس کیا کرتے تھے ۔ گلوکاروں میں ایم ۔اے ۔ رؤف، عزیز احمد خاں وارثی، ان کے دوستوں میں سے تھے۔ وائی آرٹ اکیڈیمی کی سرگرمیوں سے خوش ہوتے تھے ۔ خاص طور پر حمایت اللہ مصطفیٰ علی بیگ ان کے چہیتوں کی فہرست میں شامل رہے۔ دولت رام کے مزاحیہ ایٹموں سے بھی محظوظ ہوتے تھے ۔ زندہ دلانِ حیدرآباد کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں پیش پیش رہتے ۔ ماہنامہ "شگوفہ" کا خوشگوار انداز میں ذکر کرتے تھے ۔ اور کہتے تھے کہ ہندوستان میں ایک ہی تو طنز و مزاح کا اچھا رسالہ ہے ۔ شگوفہ کے مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال کی صلاحیتوں کے معترف تھے ۔ سیاست سے وابستہ صحافیوں غلام حیدر، ہاشم سعید، احسن علی مرزا،

منور علی' نسیم عارفی' ایم اے ماجد' مہدی عابدی' جبار صدیقی' شاہد عظیم' ذہانت علی بیگ' معراج مرزا معراج محمد' سعید صدیقی' خالد قادری' رشید الدین' شہاب الدین ہاشمی' سلطان جمیل' صدیق علی باسط قادری' کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ انتخاب پریس کے وقار اعظم اور سیاست کے مصطفیٰ سے بھی انہیں وابستگی تھی۔ آفس میں مسٹر مصطفیٰ احمد' شجاعت علی اسلم اشرف علی' ساجد' طاہر رومانی' مجیب' محی الدین' خالد صلاح الدین' بشیر جنید کی ذکی کو ذمہ داری سے اپنا فرض منصبی نبھانے والوں میں سمجھتے تھے۔ دیگر اسٹاف میں یٰسین علی' عثمان' محمد علی' رحیم کو بہترین خدمت گذار سمجھتے تھے۔

پیر ایجنٹ پرشاد صاحب کے بارے میں ان کا یہ تاثر تھا کہ نہایت ذمہ داری سے وہ اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ حلمی صاحب اور صدیقی صاحب بھی قابل ذکر اسٹاف میں رہے۔ ان کی نظر میں اڈورٹائزنگ ایجنسی کے ذمہ داران میں دلی تنویر کا نام سرفہرست رہا۔ سینئر صحافیوں میں جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب کی نظروں میں ہاشم سعید صاحب کی حیثیت سب سے برتر رہی۔ ہاشم سعید صاحب سیاست کا پہلا اور آخری صفحہ دیکھتے رہے۔ جگر صاحب ۸ بجے شب تک سیاست میں رہتے۔ ۸ بجے سے ۲ بجے تک یعنی آخری کاپی جانے تک ہاشم صاحب انچارج رہتے اور نہایت ذمہ داری کے ساتھ تفویض کردہ کام سر انجام دیتے رہے۔ آج بھی ہاشم صاحب سیاست سے وابستہ ہیں۔ پندرہ روزہ سیاست انٹرنیشنل دیکھ رہے ہیں، ایک اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ جگر صاحب جناب زاہد علی خاں کی تربیت میں حد سے زیادہ دلچسپی لئے رہے

زاہد علی خان صاحب بہ حسن و خوبی پورے اعتماد کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو نبھا رہے ہیں۔ زاہد علی خان صاحب نے نظام کالج سے گریجویشن کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ہی وہ سیاست اخبار سے وابستہ ہو گئے۔ جگر صاحب نے ظہیر الدین علی خان کو بھی سیاست کے انتظامیہ میں شامل کر لیا۔ وہ مینیجنگ ایڈیٹر کی حیثیت سے سیاست کی مقبولیت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ظہیر صاحب نہایت سلیم الطبع، نرم گفتار اور اخلاقِ حمیدہ کے حامل ہیں۔ ظہیر الدین علی خان صاحب کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ وہ عابد علیخان ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرِ انتظام منعقد کئے جانے والے اُردو امتحانات کے اہم سربراہ ہیں۔ جناب زاہد علی خان کے ہونہار فرزند عامر علی خان صاحب کو بھی جگر صاحب نے نیوز ایڈیٹر بنا دیا۔ گزشتہ ۵، ۶ برس سے وہ سیاست سے وابستہ ہیں۔ جگر صاحب کی زیرِ تربیت اُنہوں نے مکمل ٹریننگ پائی۔ جگر صاحب نے اُنہیں صحافتی اور انتظامی تربیت سے نوازا۔ جگر صاحب نے زاہد علی خان صاحب کی بڑی دختر سیدہ فاطمہ تجمیع کو بھی سیاست سے وابستہ کیا۔ وہ ہر روز صبح اپنے والدِ محترم جناب زاہد علیخان کے ہمراہ آفس آتی ہیں۔ اور لنچ کے وقت تک اپنے مفوضہ کام انجام دیتی ہیں۔ اشتہارات کا ترجمہ، خبروں کی ترتیب اور ایڈیٹوریل سیکشن کے متعلق کام انجام دیتی ہیں۔

عصری ضروریات سے آراستہ نہایت عمدہ بلڈنگ، پرانی بلڈنگ کے روبرو تعمیر کی گئی ہے جس میں سیاست آفس کام کر رہا ہے۔ بلڈنگ کے نچلے حصے میں کاغذ کا گودام ہے اور مشینیں نصب کی گئی ہیں۔ جہاں اخبار چھپتا ہے۔

ڈسپلن سیاست کا ایک اہم کردار ہے - ہر متعلقہ شخص صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور حتی الامکان بہ حسن و خوبی اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ سیاست میں کبھی بھی غیر موزوں شخص کا انتخاب نہیں کیا گیا۔ اگر احیاناً کوئی شخص اپنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرے تو وہ فی الفور برخواست کیا جاتا رہا۔ بہترین ڈسپلن اور اچھے اڈمنسٹریشن کے باوجود کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو تو رحم کی بنیاد پر وہ سیاست سے وابستہ رہا۔ برسوں کی وابستگی کا بہر حال خیال رکھا جاتا رہا۔ جگر صاحب اور عابد علیخاں صاحب نے انتہائی نامساعد حالات میں پورے حوصلے اور مستقل مزاجی کے ساتھ سیاست کے اجراء کا فیصلہ کیا تھا۔ اخبار کچھ اس انداز سے چل رہا ہے کہ تاریخِ اشاعت سے آج تک اُس کی نیک نامی پر حرف نہ آسکا میں نے دیکھا ہے کہ جگر صاحب جہاں انتہائی نرم دل واقع ہوئے تھے وہیں ڈسپلن کے معاملے میں انتہائی سخت گیر تھے۔ بے شمار مسائل اور مرحلوں سے گزرتے رہے لیکن ثابت قدمی برقرار رہی۔ اپنے مثبت رویے پر نکتہ چینی کا موقع نہیں دیا۔ جگر صاحب بہ مشکل تمام ۴، ۵، گھنٹے سویا کرتے تھے۔ پابندی کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ تلاوتِ کلام پاک بھی کیا کرتے تھے۔ کلام پاک کی کئی تفاسیر کا مطالعہ کیا کرتے۔ وہ اعلیٰ درجہ کے صحافی ہی نہیں تھے بلکہ ایک نامور ادیب بھی تھے۔ اُردو مسائل، اُردو شعر و ادب، اُردو تہذیب سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ جگر صاحب ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے ہے۔ ذہنی طور پر ترقی پسندانہ خیالات رکھتے تھے۔ وہ قدیم و جدید ادب سے بہرہ ور

ہندوستان و پاکستان کے تقریباً تمام شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں سے بھی ان کے مراسم تھے۔ ان کی صلاحیتوں اور ان کے ادبی کارناموں سے باخبر تھے اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے صحافیوں سے بھی ان کی واقفیت تھی۔ مختلف موضوعات پر نئی نئی کتابوں کا مطالعہ بھی بے حد ضروری سمجھتے تھے۔ کلاسیکی ادب، ترقی پسند ادب اور جدیدیت کی سرگرمیوں سے واقف تھے۔ معاشرہ کا کوئی ایسا موضوع نہیں تھا جس سے وہ واقف نہ ہوں۔ انتظامی صلاحیتوں میں اپنا جواب آپ رکھتے تھے۔ جگرؔ صاحب اگرچہ کہ عابد علی خاں صاحب کے مکان ہی میں رہتے تھے لیکن اپنے افرادِ خاندان سے بھی باخبر رہتے تھے۔ دبیر پورہ میں اُن کے افرادِ خاندان رہتے ہیں۔ جن میں بہت سے بیرونی ممالک (خلیجی ممالک۔ امریکہ) میں مقیم ہیں۔ جنہوں نے تلاشِ روزگار میں ترکِ وطن کیا ہے۔ جگرؔ صاحب کے ایک چھوٹے بھائی عابد حسین نیک نامی کے ساتھ مہاراشٹرا حکومت سے وظیفہ حسنِ خدمت کے بعد سیاست کے آفس سے وابستہ ہوگئے تھے۔ نہایت نیک اور نفیس انسان تھے۔ آفس کے تمام ساتھیوں کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے جن کا انتقال (۱۰) سال پہلے ہوا۔ جگرؔ صاحب کے چھوٹے بھائی مجتبیٰ حسین زائد از ۲۵ برس سے دلی ہی میں ہیں اکثر دفعہ حیدرآباد آتے رہتے ہیں۔ جگرؔ صاحب مجتبیٰ حسین کو بے حد چاہتے تھے۔ غیر محسوس طریقے سے انہیں فیض پہنچاتے۔ مجتبیٰ حسین کی موجودہ ادبی حیثیت کے تعین میں جگرؔ صاحب کا غیر معمولی ہاتھ ہے۔ جگرؔ صاحب کا بہترین لباس شیروانی تھا۔ گھر کے باہر ہمیشہ شیروانی میں ملبوس

رہتے۔ رومی ٹوپی پہنتے تھے۔ دفتر آنے کے بعد شیروانی نکالتے، کھونٹی پر لٹکاتے، ٹوپی آفس کی ایک الماری پر رکھتے۔ آفس آتے ہی کام کا جائزہ لیتے۔ خبریں اور ضروری کاغذات، متعلقہ اسٹاف کے نام علاحدہ کرتے، اسٹاف کے آنے سے پہلے ان کی ٹیبل پر کاغذات موجود رہتے ــــ جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی مجھے آفس کے ملازم کی حیثیت سے نہیں دیکھا (ویسے بھی میں ۳۷ برس سے اعزازی خدمت انجام دیتے آرہا ہوں)۔ خلوص کی بنیاد پر سیاست سے اپنی وابستگی کو اہم ترین فریضہ کے طور پر باوقار انداز میں نبھا رہا ہوں۔ قیام ادبی ٹرسٹ کے ایک ماہ بعد سے ہی میں ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیوں سے وابستہ کیا گیا۔ مجھے ادبی ٹرسٹ کا انچارج مقرر کیا گیا۔ اعزازی طور پر کام کر رہا ہوں۔ (یعنی ادبی ٹرسٹ سے سواری الاونس بھی نہیں لیتا) ــــ عابد علی خاں صاحب نے جب ادبی ٹرسٹ کا کام مجھے سونپا تو یہ فرمایا تھا۔ نیئر مجبوری ہے، میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔ سیاست سے وابستگی کے بعد عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کا اعتماد حاصل کرنا میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس اعتماد کی فضاء میں، میں نے اپنا ادبی و شعری سفر جاری رکھا اور الحمدللہ سرخ رو رہا میری ادبی پہچان کے لئے یہ دو شخصیتیں ہمیشہ سایہ فگن رہیں۔ جگر صاحب کی شخصیت کا رعب ہی ایسا تھا کہ ملنے والے محتاط انداز میں گفتگو کرتے تھے ــــ وہ بہت

نرم دلی کے ساتھ بات کرتے تھے۔ دفتر کے اور باہر کے لوگ جگر صاحب سے گفتگو سے پہلے یہ بھی معلوم کرتے کہ جگر صاحب کا موڈ کیسا ہے۔ جگر صاحب کا موڈ اُس وقت خراب ہوتا جب آفس کا کوئی کام غیر ذمہ دارانہ رویہ کا شکار ہوتا۔ اگر ان کا موڈ ٹھیک نہیں ہے، گرم مزاجی کا اظہار ہو رہا ہے تو بات کرنے والے خاموش رہتے۔ جب وہ معتدل ہو جاتے تو اُن سے بات کرتے اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا کام نکال لیتے۔ بعض ہٹ دھرم قسم کے لوگ جگر صاحب کی مصروفیت کو محسوس کرتے ہوئے بھی اُن کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ اپنا کام کرتے ہوئے پوچھتے کیسے آنا ہوا۔ کہتے کام زیادہ ہے اور فوری کھڑے ہو جاتے اور خدا حافظ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھاتے یا کسی کمرے میں چلے جاتے تاکہ وہ صاحب رخصت ہو جائیں۔ اگر اس قسم کا کوئی شاعر، ادیب ہو تو مجھ سے کہتے نیر آپ کے لئے آئے ہیں۔ میں سمجھ جاتا کہ مجھے کیوں بلایا جا رہا ہے۔ میں فوراً آ جاتا اور اُن صاحب سے کہتا کہ میرے پاس تشریف لائیے اپنے پاس بٹھاتا۔ رسمی گفتگو کے بعد وہ صاحب کچھ دیر بعد چلے جاتے۔ جگر صاحب کی نشست ایسی جگہ تھی کہ ہر آنے والا ابھی سیڑھیوں پر ہی رہتا کہ اُنہیں پر نظر پڑتی۔ قیافہ شناسی کا یہ عالم رہتا کہ وہ یک نظر اندازہ کر لیتے کہ کون کس کام کے لئے آیا ہے۔ اگر کوئی اہم شخصیت ہو تو فی الفور اُٹھتے اور اُنہیں عابد علی خاں صاحب کے اجلاس پر لے جاتے۔ عارضہ قلب کی وجہ سے جناب عابد علی خاں کا اجلاس سیاست کی پہلی بلڈنگ میں تھا۔

اُن کے لئے ایک روم بنایا گیا تھا۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن دنوں عابد علی خان صاحب پرانی بلڈنگ میں اپنے اجلاس پر رہتے تو جگر صاحب سے کون ملنے جارہا ہے انٹرکام سے مطلع کرتے فلاں صاحب آرہے ہیں۔ عابد علی خاں صاحب کے روم کے سامنے کا آئینہ ہر آنے والے کی پہچان کرواتا تھا۔ جگر صاحب جب کام سے تھک جاتے تو شام کی چائے کے لئے عابد علی خاں صاحب کے اجلاس پر چلے جاتے اور اگر زیادہ مصروف رہتے تو اپنی نشست پر ہی چائے منگوالیتے۔ اگر کسی وجہ سے ہوٹلیں بند رہتیں تو گھر سے چائے بن کر آتی۔ آفس پہونچ کر ابتدائی سارا کام دیکھنے کے بعد چائے پیتے۔ سرسری طور پر اخبارات دیکھتے اور پھر اپنے کام میں مصروف رہتے (ابتدائی کام کے لئے تقریباً ایک گھنٹہ مصروف رہتے)۔ عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب سے ملاقات کرنے والے لوگ اکثر صبح کے اوقات میں آتے یعنی ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے صبح کے اجلاس میں بیشتر اہلِ غرض حضرات کے کام کو نپٹاتے۔ اخبارِ سیاست کے سلسلے کے تقریباً تمام خطوط کے جوابات جگر صاحب خود دیتے۔ بعض خطوط عابد علی خاں صاحب لکھتے لیکن ہر مسئلہ پر چاہے وہ کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو دونوں شخصیں متواقف رہتیں۔ ملک کے اہم قلمکاروں کا تعاون سیاست کو حاصل تھا۔ اُنہیں اچھا خاصہ معاوضہ دیا جاتا۔ (سیاست حیدرآباد کا پہلا اخبار ہے جس میں لکھنے والوں کو معاوضہ دیا جاتا ہے)۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں شرکت کرنے والے جو بھی شاعر سیاست

آتے اُن سے سیاست کے لئے غزلیں لیتے اور اُنہیں معاوضہ دیا جاتا۔ (یہ اور بات ہے کہ بعض شاعروں کا کلام شائع نہیں ہوتا تھا) دراصل ایک طریقہ سے شاعروں کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ جگر صاحب شعراء کے معاوضہ کے سلسلے میں نہایت فراخدل واقع ہوئے تھے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ایک مشاعرہ میں ملک کے ایک نامور مترنم شاعر شش۔ جے پوری کسی حیدرآبادی کے ہمراہ دفتر سیاست میں آئے۔ حیدرآبادی صاحب نے عابد علی خاں صاحب سے خواہش کی کہ شش جے پوری صاحب اتفاق سے حیدرآباد میں ہیں انہیں مشاعرہ میں مدعو کیجئے۔ مشاعرہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ عابد علی خاں صاحب نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ ۸ بجے شب نمائش کلب میں ڈنر کے بعد مشاعرہ ہوگا۔ اور یہ بھی کہا کہ چونکہ شش۔ جے پوری مدعو نہیں ہیں اپنے طور پر کلام سُنانا چاہتے ہیں اسلئے انہیں صرف ایک ہزار روپئے معاوضہ دیا جائے گا۔ اُن صاحب نے ٹھیک ہے کہا۔ مشاعرہ کے دوران شعراء کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ جیسے ہی میں نے ایک ہزار روپے پیش کئے، لینے سے انکار کر دیا اور خفگی سے کہا کہ شاید آپ کو نہیں معلوم میرا معاوضہ ۵ ہزار روپے ہے۔ عابد علی خاں صاحب بازو ہی بیٹھے ہوئے سُن رہے تھے، مداخلت کرتے ہوئے فرمایا، آپ کو ایک ہزار سے زیادہ نہیں ملیں گے اور غصہ میں آکر فرمایا کہ یہ کونسا طریقہ ہے۔ آپ نے اپنی مرضی سے ہمارے بجٹ کو متاثر کر کے مشاعرہ میں شرکت کی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ معاوضہ

زیادہ دیا جائے۔ اس پر شش۔ چے پوری نے کہا کہ میں معاوضہ نہیں لوں گا۔ دیسے بھی مجھے عابد علی خاں صاحب نے ہدایت کی تھی کہ معاوضہ نہ دیا جائے۔ آخر سالار ان کے ساتھی کے توسط سے انہیں صرف ایک ہزار روپیے دیئے گئے۔ ایسا کبھی ہوتا رہتا ہے کہ بعض پیشہ ور لوگ کل ہند مشاعرہ منعقد کرتے ہیں لیکن بعض مہمان شعراء کو معاوضہ نہیں دیا کرتے۔ شہر کے ایک مشاعرہ میں فراق گورکھپوری کو ایک صاحب نے مدعو کیا تھا۔ فراق صاحب کو طے شدہ معاوضہ نہیں دیا گیا تو وہ سیاست آفس آئے۔ منتظمین مشاعرہ کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ اُس وقت میں آفس میں موجود تھا۔ جگر صاحب نے فی الفور آفس سے اُن کے معاوضہ کا انتظام فرمایا۔ بعض ایسے شعراء بھی سیاست کو آتے رہے ہیں جنہیں واپسی کے ٹکٹ کے پیسے نہیں ملے تھے ایسا ایک واقعہ ہندی کی ایک شاعرہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ وہ سیاست آکر رونے لگیں اور کہا کہ فلاں صاحب کا پتہ نہیں ہے۔ مجھے آج ہی واپس جانا ہے انہوں نے مشاعرہ کا معاوضہ نہیں دیا۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی مشاعرہ کے سلسلے میں جگر صاحب کی یہ ہدایت تھی کہ دورانِ مشاعرہ ہی پے منٹ کیا جائے۔

جگر صاحب جب موڈ میں ہوتے تو اکثر ترنم میں شعر گنگناتے تھے۔ انہیں اساتذۂ سخن کے بہت سے شعر یاد تھے۔ اچھا شعر ہوتا تو پھڑک جاتے۔ شعر فہمی میں اپنی آپ مثال تھے۔ مخدوم محی الدین اور فیض احمد فیض کے اشعار بھی گنگنایا کرتے تھے۔ شعر و ادب کا بے حد ذوق تھا۔ وہ عصرِ حاضر کے شاعروں، ادیبوں کی تخلیقات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے

صبح ۹ بجے آفس آتے - بلا تکان ایک بجے تک کام کرتے -
ایک بجے لنچ کے لئے اُٹھتے ۔ آفس ہی میں اُن کا لنچ ہوتا ۔ لنچ کے بعد
بہ شکل نصف گھنٹہ قیلولہ کرتے - غذا نہایت سادہ ہوتی ۔ لنچ کے
بعد آتے ہی چائے پیتے اور کام میں مصروف ہو جاتے - جگر صاحب
پان بہت کھاتے تھے ۔ میرے اندازہ کے مطابق صبح ۹ بجے سے ۸ بجے
شب تک ۳۰ ، ۴۰ پان کھا جاتے ۔ چھالیہ زیادہ کھانے سے ان کی
زبان موٹی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان کی گفتگو سمجھنے میں کچھ
دقت محسوس ہوتی تھی ۔ سیاست کے قریب کی دوکان سے پان بن کر
آجاتے ۔ عابد منزل سے بھی پان بن کر آتے ۔ کبھی کبھی اپنے خاص
احباب کو پان پیش کرتے ۔ پان بٹوے میں بھی رہتے اور ڈبیہ میں
بھی ـــ جب نیچے اُترتے تو اودے رنگ کا مخملی بٹوا ہاتھ میں
لہراتا رہتا ـــ دن میں دو تین مرتبہ لازماً پورے آفس کا چکر
لگاتے ۔ (اسٹاف کو یہ خیال رہتا کہ جگر صاحب کبھی بھی آسکتے ہیں)
یوں محسوس کیا جاتا کہ جگر صاحب کی زیر نگرانی اسٹاف کام کر رہا ہے -
دفتر کی صفائی میں ذرا بھی تساہل ہو تو برداشت نہیں کرتے تھے - گرما کے موسم
میں ٹھنڈے پانی انتظام کرواتے ۔ دفتر کے ایک حصّہ میں نماز کے لئے
ایک جگہ مختص کی گئی تھی - عام لوگوں کا بھی خاص خیال رکھتے - خاص طور
پر اڈورٹائزمنٹ سیکشن میں اہل غرض بڑھ جائیں تو فی الفور ان کی
نشستوں کا انتظام کرواتے - وہ چاہتے تھے کہ کوئی بھی باہر کا شخص اچھے تاثر
لے کر جائے -

انتخاب پریس پر بھی خاص نگرانی تھی۔ سارا انتظامیہ ان کے زیرِ نگرانی کام کرتا۔ ملازمین کے اچھے بُرے حالات کو محسوس کرتے اور ان کی حسبِ ضرورت مدد کرتے تھے۔ جگر صاحب شعر و ادب کے معاملات میں اکثر دفعہ مجھ سے تعاون حاصل کرتے اور میں نہایت ذمہ داری کے ساتھ تفویض کردہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچاتا۔ خوش ہو کر بعض دفعہ میری پیٹھ تھپتھپاتے اور شاباش شاباش کہتے۔ کتابوں پر تبصرہ کی ایک نوٹ بک میرے پاس رہتی۔ تبصرے کے لئے کتابیں بھجواتا، تبصرے منگوانے کا کام بھی میرے ذمہ تھا۔ مہینہ دو مہینے کے بعد نوٹ بک منگواتے، جائزہ لیتے کہ کن کن کتابوں پر تبصرہ نہیں آیا۔ یاد دہانی کے لئے ہدایت کرتے۔ کوئی بھی کام کیوں نہ ہو زیادہ دنوں تک روکے رکھنا انہیں پسند نہ تھا۔ جناب مقصود علیخان کی سرگرمیوں کو بھی پسند کرتے تھے۔

ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں شرکت کرنے کی بڑے بڑے شاعر کی دلی خواہش رہتی ہے۔ جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب اُردو کے قدیم خدمت گزار، نامور شاعروں کو خصوصیت سے مدعو کیا کرتے تھے انہیں ان کی توقع سے زیادہ مشاعرہ کا معاوضہ دیا جاتا۔ طعام و قیام کا بہتر سے بہتر طریقے سے انتظام رہتا۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے ذریعہ ملک کے بے شمار شاعروں کو متعارف کروایا گیا۔ اخبارِ سیاست میں انہیں غیر معمولی پبلسٹی دی جاتی رہی۔ ان کی تصویریں نمایاں طور پر شائع ہوتی رہیں۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی کے مشاعروں کی پبلسٹی کی وجہ سے

آج بہت سے شاعر بیرونِ ملک کے مشاعروں میں مدعو کیئے جارہے ہیں۔
کتابوں کی فہرست بنوانے کے سلسلے میں بھی مجھ سے تعاون حاصل کرتے
ان کی خواہش ہوتی کہ الماری میں رکھی گئی تمام اُردو کتابوں کے بارے میں
معلومات رکھوں۔ عید و تہوار کے موقع پر نامور شاعروں کی نظمیں اُن کی
کتابوں سے نکالی جاتیں اور مناسب انداز میں شائع ہوتیں۔ حیدرآباد
کے شاعروں کی تخلیقات بھی ایسے مواقع پر شائع ہوتی رہیں۔ یوں بھی
ہوتا تھا کہ اداریہ جب ٹائپ ہو کر آتا تو کہتے ایک نظر دیکھ لو کہیں کچھ رہ
تو نہیں گیا۔ بعض سینیئر سب ایڈیٹرس کو بھی اداریہ دکھلاتے۔ اداریہ
کے اوپر فکر و خیال کا شعر خود منتخب کرتے۔ کبھی کبھی مجھ سے فرماتے
کہ اداریہ تو تم نے پڑھ لیا ہے اسی مناسبت سے شعر منتخب کرو۔ بعض
دفعہ اداریہ کے موضوع پر کہنے کے لئے فرماتے اور میں فی البدیہہ ۱۰،۱۲
منٹ میں ۵، ۶ شعر کہہ دیتا۔ جگر صاحب کوئی ایک شعر منتخب کر لیا
کرتے۔ بعض اہم واقعات پر نظم کہنے کے لئے ارشاد ہوتا۔ اور کہتے
یہ موضوع ہے اور یہ نظم ابھی چاہئیے۔ چپراسی سے کہتے نیر صاحب کے
لئے آخری کمرہ کھول دو۔ چائے منگواتے، پنکھا کھلواتے، لائٹ آن کرواتے
نصف گھنٹے میں ایک نظم ہو جاتی اور دوسرے دن کے اخبار سیاست
میں نمایاں طور پر شائع ہوتی۔ میرے ایک مجموعۂ کلام کی رسم اجراء
پر عابد علی خاں صاحب نے فرمایا تھا۔ ادبی ٹرسٹ کے لئے مجھے کسی کی ضرورت

نہیں ہے“ مجھے نیتر ل گئے ہیں یہی بہت کافی ہے۔

شیشہ و تیشہ کے طنزیہ کالم کے لئے بھی میں نے نظمیں لکھیں۔ اور وہ شائع ہوتی رہیں۔ شیشہ و تیشہ کالم کے خطوط کے جوابات بھی لکھتا رہا۔ جگر صاحب کو اخبار سے گہری وابستگی تھی کہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کے لئے سب کچھ سیاست ہی ہے۔ جگر صاحب کے خاندان کے زیادہ لوگ عثمان آباد میں ہیں۔ انہیں افرادِ خاندان کی خوشحالی کا بہت خیال رہتا تھا۔ کبھی کبھی عثمان آباد جاتے صرف ایسے ہی موقع پر جب کوئی خاص بات ہو۔ کچھ گھنٹوں کے لئے جاتے۔ اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ کچھ وقت گزارتے اور واپس آجاتے۔ جگر صاحب کو حیدرآباد سے بہت محبت تھی۔ ان کی ہمیشہ خواہش رہی کہ یہاں کا ادبی، علمی، ثقافتی، تہذیبی ماحول بہتر سے بہتر رہے۔ سیاست کو انہوں نے کبھی کسی ایک پارٹی کا ترجمان نہیں بنایا۔ ہر سیاسی پارٹی کی نیوز، خبر کی نوعیت کے لحاظ سے چھوٹی ہو کہ بڑی شائع ہوا کرتی۔ بنیادی طور پر سیاست اخبار ایک ترقی پسند رجحانات کا حامل اخبار ہے۔ ادبی خبروں کے لئے خاص جگہ دی جاتی۔ چونکہ میں کئی ادبی انجمنوں سے وابستہ ہوں اس لئے جلسے کے دوسرے دن جیسے ہی سیاست پہنچتا پہلے یہ پوچھتے کہ جلسہ کیسا رہا اور کہتے نیوز بنا کر دو۔ اور کہتے ادبی خبروں کی اشاعت میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ خبروں کی خاص انداز سے ایڈیٹنگ کرتے تھے۔ اگر کسی جلسہ کی تفصیلی نیوز پیش ہوتی تو کہتے اتنی بڑی نیوز تو وزیرِ اعظم کے جلسے کی بھی نہیں ہوتی‘ اور نرمی سے کہتے اسکو مختصر کر دو۔

کبھی میں کہتا آپ جتنی نیوز دینا چاہیں دیجئے ـــ ٹھیک ہے کہتے اور نمایاں انداز میں کبھی دو کالم کبھی تین کالم کی سُرخی کے ساتھ نیوز شائع ہوتی۔ پھر پوچھتے جلسہ کی تصویر کہاں ہے۔ تصویر بھی شائع کی جاتی۔ یہ طریقہ کار شہر کی تمام معیاری انجمنوں کے ساتھ یکساں رہتا۔ خبروں کی سُرخیاں پُر اثر انداز میں دی جاتیں۔ متنوع سُرخیاں پڑھ کر ہی قارئین پوری خبر اشتیاق سے پڑھتے اس طرح سُرخی لگاتے کہ متن کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ سیاست میں شائع ہونے والے اشعار کا انتخاب بہتر سے بہتر انداز میں کرتے تھے۔ میرے منتخب کئے ہوئے کلام کو بغور دیکھتے اور ان کی آخری منظوری کے بعد کلام شائع ہوتا۔ جگر صاحب کی منظوری کے بغیر کوئی مضمون یا کوئی شعر شائع نہیں ہو سکتا تھا۔ معمولی معمولی اشتہارات ہی نہیں معمولی اور اہم ترین خبریں بھی ان کی نظر سے گزرتیں۔ وہ اس قدر باخبر رہتے کہ غلطیوں کا بہت کم امکان رہتا تھا۔ اسٹاف سے کبھی بے تکلفانہ گفتگو نہیں کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کا اس قدر دبدبہ تھا کہ تمام اسٹاف چاہے وہ کسی سیکشن کا کیوں نہ ہو خاموشی سے کام کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی مذاق کے موڈ میں ہوتے تو خود مزاحیہ انداز میں گفتگو کرتے۔ سب ایڈیٹرس میں احسن علی مرزا سے کبھی کبھی مزاحیہ انداز میں گفتگو کرتے۔ اُن کی ڈیوٹی کا ٹائم ہوتے ہی کہتے جایئے مرزا صاحب آپ زیادہ دیر تک بیٹھیں گے تو غلطیاں زیادہ ہوں گی۔ پھر وہ ہنستے ہوئے چلے جاتے۔ ان کی ہنسی میں بھی ثقاہت ہوتی تھی۔ معراج مرزا بھی دائرہ سلطان ... نا رہتے ہوئے

مزاحیہ انداز میں گفتگو کرتے۔ مزاحیہ گفتگو کا آغاز جگر صاحب کرتے اور مطرب نظامی صاحب کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتے۔

جگر صاحب کی یہ بھی ایک عادت تھی کہ وہ خاص خاص ادیبوں، شاعروں اور اپنے خاص ملنے والوں کی چائے سے تواضع کرتے۔ ڈسپلن کے سلسلے کی یہ ایک بات بھی اہم تھی کہ کوئی بھی ملاقاتی آفس میں کچھ ہی دیر کے لئے رہتے۔ اگر کوئی شخص دفتر کے کسی شخص سے ملنے کے لئے آجاتا، تو متعلقہ صاحب خود اپنی نشست سے اُٹھ جاتے۔ ملاقاتیوں کے کمرے میں مختصر گفتگو کر کے انہیں رخصت کر دیتے۔ ___ سیاست میں خبروں کی اشاعت کے سلسلے میں بھی کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ہر مناسب و موزوں خبر شائع ہوا کرتی۔ ادبی جلسوں کے سلسلے میں کہتے کہ ادبی خبریں زیادہ سے زیادہ شائع ہونی چاہئیے۔ اگر خبریں غیر اہم ہوں تو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دی جائیں۔ اگر خبریں قابلِ اشاعت ہوں تو کہتے ضرور ضرور ___ بعض شعراء غیر معیاری کلام لاتے تو کہتے کسی اُستاد کو بتا کر لائیے۔ اگر کوئی شخصی طور پر کوئی نیوز لاتا تو ایک ہی نظر میں کہتے، شائع ہو گی کہ نہیں ___ اگر کسی شاعر کی مادری زبان اُردو نہ ہو اور وہ اپنا کلام اشاعت کے لئے لائے تو فرماتے ٹھیک کر کے مجھے دے دو، اور وہ نظم یا غزل شائع ہو جاتی۔ اس طرح ایسے کئی قلمکار جنکی مادری زبان اُردو نہیں ہے اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی ___ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ نئے اچھے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی

سے انہیں خوشی ہوتی ۔ نئے لکھنے والوں سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھواتے ۔ یہاں میں ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا ۔ فاطمہ تاج ہمارے شہر کی ایک نامور ادیبہ ہی نہیں ممتاز شاعرہ بھی ہیں ۔ انہوں نے جگر صاحب سے خواہش کی تھی کہ اُن کے مجموعۂ کلام "اب کے برس" کے لئے پیش لفظ لکھیں ۔ جگر صاحب نے اس طرح لکھا ۔

"فاطمہ تاج آج حیدرآباد کے قلمکاروں کا جانا پہچانا اور معتبر نام بن گئی ہیں ۔ وہ اچانک ایک مضمون نگار کی حیثیت سے سامنے آئیں اور اپنے اسلوب نگارش اور شوخیٔ تحریر سے پڑھنے والوں میں ایک مقام پیدا کرلیا ۔ فاطمہ تاج کو دو سال قبل کوئی نہیں جانتا تھا ۔ میں جب ان کے مضامین سیاست کے لئے منتخب کرتا تو مجھے خود حیرت ہوتی کہ یہ لڑکی اب تک کہاں چھپی ہوئی تھی ان کے مضامین پڑھتے وقت یہ بھی خیال آتا تھا کہ ڈاکٹر زینت ساجدہ جس طرح اپنے اسٹائیل سے پہچانی جاسکتی ہیں ۔ فاطمہ تاج بھی اپنا مقام بنائیں گی ۔"

(اب کے برس ـ سنہ ۱۹۹۲ء)

حیدرآباد کے خاتون شعراء میں عظمت عبدالقیوم ، ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید ، عزیز النساء صبا ، مظفر النساء ناز ، فاطمہ تاج اور کہکشاں کا کلام شائع کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے ۔ سیاست کے ادبی ایڈیشن میں لازمی طور پر کسی ایک شاعرہ کی غزل یا نظم شائع ہوتی ۔ جگر صاحب کا حافظہ بہت تیز تھا ۔ برسوں پہلے کے واقعات انہیں سنین کے ساتھ یاد تھے ۔ بعض ایسے لوگ جو برسوں کے بعد اُن سے ملنے

کے لئے آتے تو اُنہیں فوری پہچان لیتے۔ وہ ایسے قلمکاروں سے بھی واقف تھے جن کو اُنہوں نے کبھی دیکھا نہیں بلکہ ان کی تخلیقات کی وجہ سے اُنہیں جانتے تھے۔ ایک یہ واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں ـــــ حیدرآباد کی ممتاز افسانہ نگار انیس قیوم فیاض ۱۲ برس پہلے جبکہ وہ لیبیا میں تھیں، اپنے شوہر اقبال کے ہمراہ مجھ سے ملنے سیاست آفس آئیں۔ میں نے انیس قیوم فیاض کا جگرؔ صاحب سے تعارف کروایا تو فرمایا، اس مشہور افسانہ نگار کو کون نہیں جانتا۔ اُن دنوں انیس قیوم فیاض کے افسانے ہندوستان و پاکستان کے ادبی رسائل میں شائع ہوا کرتے تھے۔ جگرؔ صاحب فوری اپنی کرسی سے اُٹھے اور عابد علی خاں صاحب کے اجلاس پر لے آئے۔ رسمی گفتگو کے بعد چائے منگوائی گئی اور کہا لیبیا سے متعلق ایک مضمون سیاست کے لئے لکھو، اور مضمون شائع ہوگیا۔ انیس قیوم جیسے بے شمار نئے لکھنے والے جگرؔ صاحب کے مرہونِ منت ہیں ـــــ جگرؔ صاحب کو شاعروں، ادیبوں کے ہر مسئلہ سے دلچسپی تھی۔ اُن سے ہر ممکنہ تعاون فرماتے ـــــ سیاست سے متعلق ہر ادبی کام کسی نہ کسی طرح مجھ سے وابستہ رہتا۔ مجھے ادبی معاملات میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ مجھ سے کام لیتے۔ سیاست سے میری گہری وابستگی اور عابد علی خاں صاحب اور جگرؔ صاحب کی بے پناہ محبت سے ہمارے شہر کے کم درجہ سے لے کر اعلیٰ درجہ تک کے شاعر و ادیب بھی حسد کرنے لگے۔ ایسا سلسلہ اُن دونوں کی زندگی تک ہی نہیں رہا، آج بھی جاری ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ شعر و ادب کے معاملات میں بلا وجہ لوگ مجھ سے بدگمان ہوتے رہتے ہیں۔

جگرؔ صاحب کے سونپے ہوئے ہر کام کو چیالنج کے طور پر قبول کرتا اور بروقت انجام دیتا۔ جگرؔ صاحب اور عابد علی خاں صاحب کو میری ذمہ دارانہ روش بے حد پسند تھی۔ سلیمان خطیب کی نظمیں بھی خصوصیت کے ساتھ سیاست میں شائع ہوتیں۔ جگرؔ صاحب نے سلیمان خطیب کے مجموعۂ کلام "کیوڑے کا بن" کی اشاعت کے سلسلے میں بھی غیر معمولی دلچسپی لی۔ کتابت کی پروف ریڈنگ اور طباعت کی مکمل ذمہ داری مجھے سونپی گئی، اس چیالنج کے ساتھ کہ جشنِ خطیب کے موقع پر یہ کتاب شائع ہونی چاہیئے۔ یہ کتاب ایک ماہ کے اندر شائع ہوگی۔ میں نے ذمہ داری قبول کرلی اور یہ کتاب بروقت شائع ہوئی۔ جگرؔ صاحب بے حد خوش ہوئے۔ میری محنت کو خوب سراہا۔ جشن کے روز میں یہ کتابیں لے کر پہنچ گیا۔ میرے ہمراہ کار میں حیدرآباد کے شاعر رئیسؔ اختر بھی تھے۔ جو جشن کے مشاعرہ میں مدعو تھے۔ جگرؔ صاحب نے "کیوڑے کا بن" کی ٹاؤن ہال گلبرگہ میں رسمِ اجراء انجام دی۔ سکریٹریٹ میں میرے ایک کرم فرما تھے جو امرار کر کے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے جائنٹ سکریٹری بن گئے مگر اُنہیں ان کی منفی سرگرمیوں کی وجہ سے بے دخل کردیا گیا ــــ

جگرؔ صاحب کو مختلف تحریروں اور مختلف لوگوں سے آئے دن سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ اُن صاحب کی یہ عادت تھی کہ جگرؔ صاحب کے نام لمبے لمبے خطوط لکھتے تھے۔ اور ان کی رائٹنگ بہت باریک تھی۔ جگرؔ صاحب مجھ سے فرماتے، آپ کے دوست کا خط آیا ہے۔ پورا خط پڑھ کر اس کا لب لباب سُنا دو۔ ان کے خطوط

میں ۸۰/۹۰ باتیں اُن کے اپنے گھر کی ہوتیں۔ اپنے لڑکے اور اپنی لڑکیوں کی تعریف ہوتی۔ اُن کی قابلیت کے پُل باندھ دیتے۔ اس قسم کے بہت سے خطوط مختلف لوگوں کے آتے۔ پڑھتے، ردی میں ڈال دیتے۔ میں نے دیکھا ہے کہ مطالعہ کے دوران کئی غیر اہم خطوط اور غیر اہم خبریں پھینک دی جاتیں۔ صرف ضروری کاغذات علیحدہ کرتے اور اُن پر کارروائی کرتے۔ جگر صاحب ایسے لوگوں کی ناپسندیدہ حرکتوں سے نفرت کرتے تھے۔ لبعض دفعہ جب وہ کسی مسئلہ یا کسی بات پر چڑچڑے ہوجاتے تو کہتے شریفوں کی بہت کمی ہوگئی ہے۔ جگر صاحب شام کے وقت انتخاب پریس میں ۵۰/۶ منٹ عابد علی خاں صاحب کے داماد حامد قادری صاحب کے پاس بیٹھتے (جو انتخاب پریس کے سربراہ تھے)۔ حامد قادری صاحب نہایت سعادت مندی کا ثبوت دیتے۔ اور کبھی کبھی حامد صاحب کے اجلاس پر جگر صاحب چائے پیتے۔ جگر صاحب جناب حامد قادری کو بہت چاہتے تھے، بہت پسند کرتے تھے۔ اُن سے خوشگوار انداز میں گفتگو کرتے تھے۔ جگر صاحب عابد علی خاں صاحب کی دختر نیک اختر عرشیہ (اہلیہ جناب حامد قادری) کو بے حد چاہتے تھے۔ حامد قادری اور عرشیہ کے اصرار پر حج بیت المقدس کے سفر کے لئے آمادہ ہوگئے۔ ان دونوں سعادت مندوں نے دوران سفر حج بیت اللہ بہت زیادہ جگر صاحب کا خیال رکھا۔ حج بیت اللہ اور زیارت گنبد خضرا سے فیضیاب ہوئے۔ عابد علی خاں صاحب کے گھر کے کسی ایک فرد نے بھی جگر صاحب کی عزت و توقیر میں کبھی کمی آنے نہیں دیا۔ عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کی دوستی مثالی تھی۔

جہاں انہیں اساتذۂ سخن کے بہت سے شعر یاد تھے وہیں ترقی پسند شاعروں کی نظمیں بھی یاد تھیں۔ جگر صاحب کلاسیکی شاعری کو نسبتاً زیادہ پسند کرتے تھے۔ جگر صاحب کا یہ بھی ایک وصف تھا کہ وہ اپنی وضع داری کو اس طرح نبھاتے کہ باہر سے ۵ ویں درجہ کے شاعروں کی بھی دلجوئی کرتے تھے۔ نتیجتاً اس قسم کے شعراء اپنی موقتی حوصلہ افزائی کو غلط فہمی کا رنگ دیتے۔

میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض شعراء و ادیب جگر صاحب کی حوصلہ افزائی کو سند کا درجہ سمجھتے ہوئے اپنے آپ پر فخر محسوس کرتے انہیں خود ستائی کی عادت پڑ جاتی۔ میں نے بعض ایسے موقع پرستوں کو بھی دیکھا ہے جو جگر صاحب سے ملنے کے لئے آفس کے دروازہ کے پاس کھڑے رہتے۔ اُس وقت تک جب تک یہ نہ پوچھیں کہ بتائیے کیا کام ہے۔ ایسے ہی خوشامد پسند، خود غرض لوگ سیاست کے حریفوں میں شامل رہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ صرف اور صرف جگر صاحب کی سرپرستی اور سیاست کے توسط سے مختلف سیاسی پارٹیوں کے کارکن آج بڑے بڑے لیڈر بن گئے ہیں۔ جن میں بعض ریاستی اور مرکزی وزراء بھی شامل ہیں۔ سیاست اخبار کی غیر جانب دارانہ پالیسی کی وجہ سے تمام جماعتوں کے لوگ سیاست اخبار کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ایسے بے شمار چہرے میری آنکھوں کے سامنے ہیں جو جگر صاحب، عابد علی خاں صاحب اور سیاست کی سرپرستی اور ان کے تعاون سے روشن دکھائی دے رہے ہیں۔ شاعروں، ادیبوں

کا بھی یہی حال ہے۔ اخبارِ سیاست نے معاشرہ کے ہر اُس حصّہ کو جو ارتقائی منازل طئے کرتا جارہا ہے۔ اپنا مُسلسل تعاوُن دیا۔ دوست نوازی کی بھی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن میں ایک مثال یہ بھی ہے کہ جگر صاحب کے ایک سینیئر عثمانین ساتھی جناب میر حسن ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو ریٹائرڈ ہوئے تو انہیں سیاست میں جز وقتی مصروفیات سے وابستہ کیا۔ اشتہارات کا ترجمہ اُن کے ذمہ رہتا۔ میر حسن صاحب سیاست اخبار سے وابستہ رہے۔ میر حسن صاحب کبھی عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کے ساتھ لنچ میں شریک رہتے۔

جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب نامور شاعر و منفرد شہزادہ والا شان پرنس معظم جاہ شجیع کے قدر دانوں میں سے تھے۔ پرنس معظم جاہ شجیع کے مجموعۂ کلام "شہ پارے" کی رسم اجراء کے موقع پر عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب بھی موجود تھے۔ میں بھی مدعو تھا۔ فرن وِلا میں رسم اجراء تقریب منعقد ہوئی۔ اس کتاب کے ناشر حسامی بک ڈپو کے مالک جناب نصیر الدین ہیں۔ پرنس معظم جاہ شجیع صاحب کا جب انتقال ہوا تو عابد علی خاں صاحب، جگر صاحب اور زاہد علی خاں صاحب پہلے اصحاب تھے جو فرن وِلا پہنچے۔

جگر صاحب مختلف انداز سے شاعروں اور ادیبوں کی رقمی امداد کرتے تھے۔ بعض اہلِ قلم ایسے بھی تھے جن کی تخلیقات شائع تو نہیں ہوتی تھیں لیکن اُنہیں معاوضہ دیا جاتا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ زاہد علی خاں صاحب کی شادی لیڈی حیدری کلب کے احاطہ میں ہوئی تھی۔ پرنس مکرم جاہ آئے تھے۔ غالباً

ان کے لئے۔ حیدرآباد کی پہلی شادی تھی جس میں انہوں نے شرکت کی تھی)۔ زاہد علی خاں صاحب کی شادی پر میں نے تہنیتی نظم لکھی تھی لمڈ ڈاکٹر شاہد علی خاں، ظہیر الدین علی خاں، قمر الدین علی خاں اور عامر علی خاں کی شادی کے موقع پر بھی تہنیتی نظمیں لکھیں۔ عرشیہ (دختر عابد علی خاں صاحب) کی شادی کے موقع پر بھی وداعی کے موضوع پر نظم لکھی تھی۔ سلطانہ شرف الدین، کوثر گل اور سلیم اشرف کی ادبی سرگرمیوں کو سراہتے تھے۔

جگر صاحب کی مردم شناسی کا جواب نہ تھا۔ سیاست ہو کہ خود ان سے وابستہ لوگوں کی پہچان رکھتے تھے۔ بڑے سے بڑے ادیب و شاعر سیاست اخبار سے وابستہ ہونا چاہتے ہیں، لیکن جگر صاحب کی کسوٹی پر ہر شخص نہیں اُتر سکتا تھا۔ تاہم غیر معاشی سرگرمیوں میں مبتلا لوگوں کو بھی رحم دلی کا ثبوت دیتے ہوئے معاف کیا کرتے تھے۔ نیکی کرو اور بھول جاؤ ان کا مسلک تھا۔

اسٹاف میں سے بعض لوگوں نے اعتماد کو دھکا پہونچایا تھا لیکن اُنہیں معاف کر دیا گیا۔ کچھ ایسے لوگ ان کے ہاتھ پاؤں پڑتے تو مروت کی لہر آجاتی اور پھر دوبارہ سیاست سے وابستہ کر لیتے۔ غیر محسوس طریقے سے بھی رعایتیں کرتے تھے۔

اگر کسی مضمون کا کوئی ضروری کاغذ بروقت نہ ملتا تو کافی جھنجھلا جاتے، خود تلاش کرتے اور اسٹاف میں سے کسی ایک کو تلاش کی ذمہ داری دے دیتے۔ بعض دفعہ تلاش کرنے والوں میں، میں بھی شامل رہتا۔ شائع شدنی اور غیر شائع شدنی مضامین کے علحدہ علحدہ لفافے ہوتے اور واپس شدنی تصاویر بھی ایک علحدہ ڈبہ میں رکھتے۔ شائع شدہ تصاویر ۲ ، ۳ ماہ کے بعد جو سینکڑوں

کی تعداد میں ہوتیں تلف کی جاتیں۔ بعض خصوصی تصویریں علیحدہ کرکے متعلقہ محکمے کے حوالے کی جاتیں۔ ہر سیکشن کا کام اس سلیقے سے ہوتا کہ ایک دو منٹ میں جواب مل جاتا۔ ضرورتِ رشتہ، خریدیٔ مکان، اشتہارات کے سلسلے میں شاعروں، ادیبوں کے علاوہ اپنے جان پہچان والوں کے ساتھ ۲۰٪، ۳۰٪ اور ۵۰٪ رعایت کی جاتی تھی اور کچھ اشتہارات مفت شائع کئے جاتے تھے۔ بے حد مروّت اور لحاظ رکھنے والے انسان تھے۔ اگر کوئی نیوز کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکی تو متعلقہ صاحب سے کہتے کہ کل آپ کی نیوز شائع ہو جائے گی اور شائع ہو جاتی۔ لوگوں کو یقین ہو جاتا کہ جو خبریں خاص طور پر جگر صاحب کے ہاتھ میں دی جاتی ہیں لازماً شائع ہو جائیں گی۔ ادبی انجمنوں سے وابستہ لوگوں کا خاص خیال رکھتے۔ کسی کو بھی مایوسی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ایک نوجوان تکمیل رضا صاحب کسی کام کے سلسلے میں جگر صاحب سے ملنے کے لئے آئے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی آمد کے بارے میں بتاتے انہیں میز پر رکھے ہوئے اشتہارات پڑھنے کے لیئے کہا۔ اُن سے ایک ادبی مضمون بھی پڑھوایا۔ وہ صاحب پڑھتے پڑھتے رک جاتے تھے اُن کا تلفظ درست نہیں تھا۔ قرأت و سماعت کی ایک منزل پر جگر صاحب نے فرمایا کہ آپ کی اُردو اچھی نہیں ہے۔ آپ کا اُستاد کون ہے اور اُن صاحب کے بارے میں کہتے "یہ ایم۔ اے ہیں۔ جب بھی وہ غلطیاں کرتے تو کہتے آپ کی اُردو صحیح نہیں ہے اور یہ بھی کہتے کہ ایم۔ اے، ہیں۔ آج کے بعض اُردو اساتذہ کی قابلیت پر بھی افسوس کرتے تھے۔

شروع ہی سے میری نشست ایسی جگہ رہتی کہ جگر صاحب کی ایک ہی آواز پر میں اُن تک پہنچ جاتا ۔ ہمیشہ مجھے نیّر کہہ کر بلاتے اور اگر میں نہیں سُن سکا تو نیّر صاحب کہہ کر بلاتے ۔ شاعری، تبصرے، مضامین اول، مضامین دوم، خطوط، شہر کے مسائل، خواتین کا کالم وغیرہ کے علحدہ علحدہ لفافے رکھے گئے تھے شخصی خطوط کھولتے نہیں تھے ۔ میں صبح و شام سکریٹریٹ جانے سے پہلے اور آنے کے بعد اپنی ڈاک دیکھ لیا کرتا ۔ شخصی خطوط بھی رہتے تھے لیکن لفافے چاک نہیں کئے جاتے تھے ۔ اسٹاف کے شخصی خطوط بورڈ پر لگائے جاتے اُن میں بعض چٹھیاں جگر صاحب کی بھی ہوتیں جن میں کچھ ہدایتیں ہوتیں متعلقہ لوگ اپنے اپنے نام کی چٹھیاں لے لیتے ۔ ہر کام سلیقے کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچتا ۔ سیاست سے وابستہ اسٹاف یہ تصور کرتا ہے کہ وہ ۲۴ گھنٹے سیاست کی تحویل میں ہے ۔ کبھی کوئی خاص بات ہو تو متعلقہ شخص کو ڈیوٹی کے اوقات سے ہٹ کر بھی بلایا جاتا اور ایمرجنسی کام ہو تو اس کے تفویض کیا جاتا ۔ ایسا ہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوتا تھا ۔ اگر باہر کی کسی نامور شخصیت کا پروگرام رکھنا ہو تو فون کرتے اور میں فی الفور پہنچ جاتا ۔ اتوار جگر صاحب کا آرام کا دن ہوتا تھا (لیکن اتوار کو بھی مصروف رہتے تھے) ۔ عابد علی خاں صاحب صبح ۱۰ بجے آتے اور ایک بجے گھر تشریف لے جاتے ۔ شام ۵ بجے سیاست آتے اور ۶ بجے جگر صاحب کو لے کر جاتے ۔ ان کے ایک دیرینہ رفیق جناب خواجہ معین الدین گزشتہ کئی برسوں سے اتوار کو سیاست آفس آتے ہیں اور عابد علی خاں

صاحب کے اجلاس پر موجود رہتے ہیں۔ جگرؔ صاحب کی نظر سے تبادلے میں آنے والے تمام اخبارات (اردو، انگریزی) گزرتے۔ بعض اہم اہم تراشے نکلواتے۔ بعض تراشے فائیل کرواتے۔ بعض تراشے خاص طور پر پاکستان کے اخبار کے تراشے سیاست میں حوالے کے ساتھ شائع کرتے۔ ہر صبح و شام عابد علی خاں صاحب و جگرؔ صاحب اخبار سیاست سے متعلق مختلف گوشوں پر گفتگو کرتے۔ غور کیا جاتا کہ اخبار کی مزید بہتری کے لئے کیا کیا جانا چاہیئے۔ ہر سیکشن کے انچارج کے کام کا جائزہ لیا جاتا اور ضروری ہدایات دی جاتیں۔

جگرؔ صاحب قلب کے مریض تھے۔ ڈاکٹروں کے مشورے سے زیادہ تر گھر پر ہی علاج کرواتے۔ اتفاق سے عابد علی خاں صاحب بھی دل کے مریض تھے۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ عابد علی خاں صاحب اور جگرؔ صاحب ایک ہی دواخانے (دواخانہ عثمانیہ) میں ڈاکٹر محمد نائک کے زیر علاج رہے۔ جگرؔ صاحب سے پہلے عابد علی خاں صاحب کو دل کا دورہ پڑا۔ کچھ ہی دن بعد جگرؔ صاحب کو دل کا دورہ پڑا۔ ان دونوں کے معالج ڈاکٹر سعید حیدر رہے۔ ان کی ہدایت پر ایک دوسرے سے ملنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ عابد علی خاں صاحب بہ عارضۂ قلب گھر پر بھی کئی دنوں تک ڈاکٹر سعید حیدر کے زیر علاج رہے۔ میں جب کبھی عیادت کے لئے جاتا تو خوش ہوتے اور اپنے قریب بیٹھنے کے لئے کہتے۔ لازماً چائے پلواتے۔ جگرؔ صاحب کبھی بیمار ہوتے تو گھر پر ہی رہتے۔ بہ حالتِ بیماری بھی گھر پر آفس کا کام دیکھتے۔ ہر صبح ہر متعلقہ شخص کے نام

ہدایت نامہ کی طرح چٹھیاں پہنچ جاتیں۔ میرے نام کی بھی چٹھیاں ہوتیں جو
سیاست کی پوئٹری سیکشن اور ادبی ٹرسٹ سے متعلق ہوتیں۔ ان کی چٹھیوں
میں عام نوعیت کی چٹھیاں بھی ہوتیں۔ جگر صاحب نے علالت کے آخری دنوں
میں ایک دفعہ فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ میں آرام لوں۔ میں کیسے آرام لے سکتا ہوں
مجھے تو آخری سانس تک کام کرنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور آخری دم تک
آفس کا کام دیکھتے رہے۔ ادبی معاملات میں میری حیثیت P.R.O جیسی
تھی۔ عابد علی خاں صاحب کسی سے شاعر کی حیثیت سے میرا تعارف کراتے
میری تعریف کرتے اور کہتے میرے ادبی سکریٹری ہیں۔ باہر کے شاعروں ادیبوں
اور دیگر شخصیتوں سے میرا بھرپور تعارف کرواتے۔ خمار صاحب جب کبھی
سیاست آتے تو ان سے غزل سنتے اور سیاست کے لئے غزل لی جاتی۔
اس غزل کا اچھا خاصا معاوضہ دیا جاتا۔ خمار صاحب پڑھتے اور میں اُن کی
غزل لکھتا جاتا۔ غزل سننے کے لیئے آفس کے باذوق حضرات کو بلواتے۔ کبھی
کبھی مجھ سے فرماتے کہ میں اپنی غزل پہلے سناؤں تاکہ خمار صاحب کو موڈ آجائے
میں اپنی غزل کے ۳، ۴ شعر ترنم سے سناتا۔ پھر خمار صاحب غزل سناتے۔
روز اُن کی وہ غزل اتوار کے ادبی ایڈیشن میں شائع ہو جاتی۔ جگر صاحب کو
اچھے شعر اور اچھا ترنم بے حد پسند تھا۔ شہر میں مشہور فلم "کبھی کبھی" ریلیز ہوئی
تو ساحر کی ایک نظم "کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے" اُنہیں بہت
پسند تھی۔ اور یہ نظم مظہر الدین علی خاں (برادرِ خورد ظہیر الدین علی خاں ایڈیٹر

سے سُنتے جو ہو بہو کاپی کرتے تھے اور ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ جگر صاحب کو شعر سے ہی نہیں نغمہ سے بھی لگاؤ تھا۔ جگر صاحب کی تھکاوٹ اُس وقت اُتر جاتی جب آفس میں زاہد علی خاں صاحب اور عرشیہ یا گھر کے دوسرے بچے آجاتے۔ جگر صاحب چھوٹے بچوں کو بے ساختہ گود میں اُٹھا لیتے اور میری اماں میری اماں کہہ کر پیار کرتے تھے۔ اسی طرح عابد علی خاں صاحب کے گھر کے تمام بچوں کو بے حد پیار کرتے تھے۔ گھر کے تمام لوگ جگر صاحب کے احترام میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے تھے۔ سب چچا چچا کہتے۔ سیاست اخبار کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ اس اخبار سے وابستہ ہر شخص مختلف قسم کی مراعات سے فیض پاتا رہتا ہے۔ اگر کوئی سب ایڈیٹر لکھنے پڑھنے میں دقت محسوس کرتا ہے تو فی الفور اسکو ممتاز ماہر امراضِ چشم ڈاکٹر شیام سندر کے پاس سفارشی خط لکھ کر بھیجتے اور تیسرے چوتھے دن اُس سب ایڈیٹر کی آنکھوں پر چشمہ رہتا۔ اس طرح کسی بھی ڈاکٹر کے پاس جگر صاحب کی سفارش پہنچتی تو مریض کو مختلف سہولتیں مہیا کی جاتیں۔ عابد علی خاں صاحب عموماً شام میں پونے چھ بجے کے درمیان اپنے اجلاس کے باہر کھڑے رہتے تھے۔ جیسے ہی سینئر صحافی جیا آصد لقی آفس پہنچتے ان سے خوشگوار موڈ میں انگریزی میں بات کرتے۔ وہ جیا صدلقی کے کام سے بے حد مطمئن تھے انہیں بے حد سراہتے تھے۔ سیاست کے ادبی ایڈیشن میں مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے تمام قارئین سیاست اچھی طرح واقف ہیں۔ جگر صاحب نے

ان مضامین میں سے مختلف موضوعات پر منتخب مضامین کی کتابیں شائع کرنے میں دلچسپی لی۔ چنانچہ مطبوعاتِ سیاست کی تعداد ۲۹ ہو چکی ہے۔ اہم موضوعات کی کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے۔ اس لئے یہ کتابیں بہت تیزی کے ساتھ فروخت ہوتی ہیں۔ جگر صاحب نے ادارۂ سیاست کو صرف خبروں کی اشاعت کی حد تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ادارہ کی جانب سے مختلف نوعیت کی تقاریب ہوتی رہیں۔ کتابوں کی نمائش کے علاوہ مختلف موضوعات پر سمیناروں کا اہتمام بھی کیا جاتا رہا۔ اِس سلسلے میں اُردو کے دانشوروں کی خدمات سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ بڑی بڑی ادبی تقاریب منعقد ہوتی رہیں۔ حیدرآباد میں صنعتی نمائش کے موقع پر گزشتہ ۱۵ برس سے بہ تعاون حسامی بک ڈپو اور مکتبۂ جامعہ دہلی بڑے پیمانہ پر بُک اسٹال کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ ہر سال بُک اسٹال پر زائد از ایک لاکھ روپے کی اُردو کتابیں فروخت ہوتی رہیں۔ حیدرآباد کے شاعروں، ادیبوں کی ہر مناسب موقع پر مدد کیا کرتے تھے۔ عابد علی خاں صاحب کے گھر پر اکثر دفعہ دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا۔ خاص طور پر کوئی اہم شخصیت ہو اور جن سے ان کے مراسم ہوں تو عشائیہ پر مدعو کرتے۔ مجھے اکثر ایسے عشائیوں میں شرکت کا موقع ملتا رہا ہے۔ عشائیہ کے بعد محفل موسیقی کا اہتمام کیا جاتا۔ شکیلہ بانو جب بھی کسی پروگرام کے سلسلے میں حیدرآباد آتیں تو ایک دو محفلیں گھر پر ضرور رکھی جاتیں۔ ایسے مواقع پر فائن آرٹ اکیڈیمی کے ممتاز سربراہ جناب حمایت اللہ اور جناب مصطفیٰ علی بیگ کا تعاون حاصل کیا جاتا۔ نامور گلوکار عزیز احمد وارثی کے علاوہ

مشہور گلوکارہ شنکرا بائی اور جمیلہ بانو بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں ۔ یہ بھی ایک روایت رہی ہے کہ حکومت کے اعلیٰ مرتبت لوگ سیاست اخبار اور عابد علیخاں صاحب سے وابستگی رکھتے ۔ عابد علی خاں صاحب سے ملنے کے لئے سیاست آتے تھے ۔ مجھے یاد ہے کہ نائب صدر جمہوریہ ہند جناب کرشن کانت جب گورنر کی حیثیت سے حیدرآباد تشریف لائے تو اُنہوں نے سب سے پہلے عابد علی خاں صاحب سے ملاقات کی تھی ۔ سیاست کو اس قابل بنایا گیا کہ ہر مکتبِ خیال کا شخص سیاست پڑھنے کا عادی بن گیا ہے ۔ تمام سیاسی پارٹیوں سے وابستہ اُردو داں لوگ دیگر اخباروں کے مقابل میں خصوصیت کے ساتھ سیاست پڑھتے ہیں ۔ سیاسی لوگوں پر فیچرز شائع ہوتے رہے ۔ جگر صاحب نے اپنی تمام زندگی میں صرف دو دفعہ بیرونِ ملک کا دورہ کیا ۔ ایک تو جدّہ میں منعقدہ حیدرآباد کی ۴۰۰ سالہ جشن تقاریب کے سلسلے میں اور دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کے موقع پر ۔ سیاست سے وابستہ ابتدائی دور کے لوگوں کو جگر صاحب ہمیشہ یاد رکھتے تھے ۔ اُن کا تذکرہ کرتے تھے ۔ ان کے افرادِ خاندان سے مختلف مواقع پر تعاون کرتے تھے ۔ جگر صاحب دوسری زبانوں کے شاعروں ، ادیبوں کی عزّت کرتے تھے ۔ لسانی ہم آہنگی کے ہر موقع پر معاون ثابت ہوتے ۔ ہندی اور دیگر زبانوں کی ادبی تقاریب کی خبریں خصوصیت کے ساتھ شائع کی جاتی رہیں ۔ مقامی اخباروں کے تمام مدیران سے ان کے اچھے روابط رہے ۔ دیگر زبانوں کے اخباروں کے ذمہ داران سے بھی ان کے تعلقات استوار تھے ۔ وہ ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ سیاست میں زیادہ سے

زیادہ ادبی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اکثر دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کمرشیل اشتہارات
روک کر ادبی خبریں دیا کرتے ــــــ سیاست کی زبان کو ادبی زبان بنانے میں
دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی سیاست کو انفرادیت حاصل
ہے۔ سیاست میں شائع ہونے والی خبروں اور مضامین میں اگر کوئی لفظ
ناموزوں ہو تو متبادل لفظ کو ترجیح دیتے ــــــ کوئی غیرادبی و غیرشائستہ لفظ
شائع نہ ہوتا۔ معیاری اشعار کی اشاعت کا خیال رکھتے۔ انتخابِ کلام میں
ملکہ حاصل تھا۔ شعر فہمی میں اپنی آپ مثال تھے۔ یہ یک نظر معیاری یا غیرمعیاری
شاعری کا اندازہ لگالیتے۔ مختلف موضوعات پر شائع ہونے کے لئے آئی ہوئی
نظموں میں سے بہتر سے بہتر نظمیں چُن لیتے اور شائع فرماتے۔ تمام شاعری میرے
ہاں روانہ کرتے۔ میرے انتخاب کے بعد آخری انتخاب جگر صاحب کا ہوتا ــــــ
خاص طور پر مذہبی شاعری کے ایک ایک لفظ ایک ایک مصرعہ پر غور فرماتے۔
کوئی ایسی تخلیق شائع نہیں ہوتی جو اعتراض کا باعث بنے۔ اخبار کے صفحات
کی گنجائش کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعض تخلیقات کے کچھ اشعار کم کر دیئے
جاتے۔ ایسا ہی مضامین کا بھی حال رہتا۔ کئی جملے نکال دیئے جاتے۔ جس طرح ایک
خبر ایک صفحہ پر شائع ہوتی اسی طرح ایک مضمون ایک صفحہ پر شائع ہوتا ــ
(بہت کم) ایسا ہوتا کہ کسی مضمون کا باقی حصّہ کسی دوسرے صفحہ پر شائع ہو۔
ایڈیٹنگ نہایت تیزی سے کرتے ـ غیرضروری حصّہ حذف کر کے بہترین شکل
میں مضامین شائع فرماتے۔ اگر اتفاق سے کوئی اہم حصّہ رہ جائے تو ایک دوسرے

طریقے سے اس کمی کو پورا کرتے۔ جگرؔ صاحب کا خط پڑھنا بہت مشکل تھا۔ وہی شخص
ان کی تحریر پڑھ سکتا تھا جو ان کی تحریر کا عادی ہو۔ بعض جملے تو لکیروں کی شکل
میں ظہور پذیر ہوتے جیسے کوئی ایبسٹریکٹ آرٹ کا نمونہ ہو۔ تحریر پڑھنے کے
عادی لوگ متن کے لحاظ سے اُن کی تحریر پڑھنے میں کامیاب رہتے۔ ان کی تحریروں
میں لفظوں کو بہت کم جگہ ملتی تھی۔ (لیکن ہم لوگ پڑھ لیا کرتے تھے)۔ جگرؔ صاحب
بال پن استعمال کرتے۔ اکثر خبروں کی سُرخی خود لگاتے۔ بعض مضامین کی سرخیاں
بدل دیا کرتے۔ حتی الامکان معیاری کتابوں پر ہی تبصرہ کرواتے۔ ملک بھر میں
شائع ہونے والی کتابیں تبصرہ کے لئے سیاست پہونچتیں۔ تبصرہ کے بعد کتاب
کی ایک جلد آفس کی الماری میں رکھی جاتی۔ اور دوسری جلد اُردو گھر بھیج دی
جاتی۔ اس طرح ہزاروں کی تعداد میں کتابیں اُردو گھر کو دی گئیں (دی جارہی ہیں)
اُردو گھر میں ہر موضوع پر کتاب مل سکتی ہے۔ بعض دفعہ جگرؔ صاحب اُردو گھر
کے کتب خانے کے معائنہ کے لئے چلے جاتے۔ اکثر دفعہ مجھے اپنے ساتھ رکھتے۔
مجھ سے فرماتے۔ کبھی کبھی تم بھی جایا کرو۔ عابد علی خاں صاحب اور میں تو بار بار نہیں
جا سکتے۔ جگرؔ صاحب سیاست کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے مجھے پابند کرتے۔
جگرؔ صاحب کی یہ بھی ایک عادت تھی کہ ۲، ۳ ماہ میں ایک بار آفس میں رکھی ہوئی
کتابوں کا معائنہ کرتے۔ کتابوں کی فہرست دیکھتے۔ کتابوں کی ترتیب یا فہرست
کی ترتیب میں کچھ بات رہ گئی ہو تو درست کرنے کی ہدایت فرماتے۔ مختلف عیدین
و تہوار کے موقع پر نظموں کی ضرورت محسوس ہوتی تو مجھے فرماتے کہ فلاں کتاب

میں اس موضوع پر نظم ہے، کتاب لے آؤ۔ میں آسانی سے کتاب الماری سے نکالتا۔ کتابوں کی فہرست کی ترتیب میں بھی اکثر دفعہ تعاون کیا کرتا۔ تبصرہ کے لئے ایسے ہی دانشوروں کو کتابیں دی جائیں جو جلد از جلد تبصرہ لکھ دیتے۔ بعض دفعہ فرماتے فلاں صاحب اچھے نقاد ہیں لیکن تبصرہ کے لئے کافی وقت لیتے ہیں، کتاب بھی واپس نہیں کرتے اسلئے اُنہیں کتابیں مت دو۔ نئی کتابوں پہ تبصروں کی جو روایت ہے وہ باقی ہے۔ نئی کتابوں کی اشاعت پہ نیوز بنانے کے لئے مجھ سے فرماتے۔ بعض کتابوں کا اشتہار بھی شائع فرماتے۔ اشتہار بنانے کے لئے کہتے۔ شہر میں ہونے والے ادبی جلسوں کی خبریں نہ ملنے پر مجھ سے فرماتے فون کرکے نیوز اور تصویریں منگوالو۔ ادبی جلسوں کی تصویریں شائع کرنا بھی ضروری سمجھتے۔ ایسے اہل قلم جو حیدرآباد کے ہیں اور دیگر ملکوں میں مقیم ہیں۔ ان کی خبروں اور ان کے مضامین و شاعری کو اولیت دی جاتی۔ ایسے مضامین شاعری اور ادبی خبروں کے لئے کچھ کالم مختص کئے گئے ہیں۔ سعودی عرب میں (جدہ) کی ادبی خبریں جدّہ کی فعال، متحرک اور مقبول شخصیت صدر بزم عثمانیہ جدّہ جناب عارف قریشی روانہ کرتے ہیں جو شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ اور لوگ بھی خبریں اور تصویریں بھیجتے ہیں۔ امریکہ (شکاگو) سے جناب حسن چشتی سیاست کی توسیع و اشاعت میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ مختلف اضلاع کی نمائندہ شخصیتوں سے خواہش کرتے کہ سیاست کے لئے مضامین روانہ کرتے رہیں۔ اخبار کے خصوصی نمبروں کے لئے کن کن حضرات

سے مضامین لکھوانا چاہیئے انہیں پوری طرح ادراک تھا۔ شہر میں جب کبھی فساد ہوتا تو خبروں کو اچھالتے نہیں تھے۔ متوازن انداز میں خبریں شائع ہوا کرتی تھیں۔ کہتے تھے کہ پہلے ٹھنڈا پڑ جانے دو، حالات بہتر ہو جانے کے بعد تفصیلی طور پہ خبریں شائع کی جاسکتی ہیں۔ اخبار کے ذریعہ ہمیشہ یہ کوشش رہتی کہ حالات جلد از جلد قابو میں آجائیں ۔ ہر نازک موقع پہ عابد علی خاں صاحب حکومت کے ذمہ داروں سے ربط رکھتے اور حالات کے بہتر بنانے کیلئے تعاون کرتے۔ ہر حکومت نے عابد علی خاں کو اہمیت دی۔

آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر کبیر احمد کے بارے میں کہتے تھے کہ بہت ہی ذہین و فطین شخص ہے۔ نہایت شریف آدمی ہے۔ جب کبیر احمد صاحب کا کشمیر ریڈیو اسٹیشن پہ تبادلہ ہوا تو کبیر احمد سے کہا اللہ پہ بھروسہ رکھو اور کام پہ رجوع ہو جاؤ اللہ ہر مرحلہ پہ مدد کرے گا۔ اگر کبھی بیرونی اسکالرس حیدرآباد آتے تو یوں بھی ہوا ہے کہ ڈاکٹر موہن لال نگم ڈائرکٹر سالار جنگ میوزیم اور ڈاکٹر صادق نقوی سے تعاون حاصل کیا کرتے۔ اگر کوئی V.I.P شخصیت ہو تو نگم صاحب کو فون کرنے کے لئے کہتے۔ خود بھی بات کرتے اگر وہ کسی وجہ سے آفس میں نہ ہوں تو ڈاکٹر رحمت علی سے تعاون کی خواہش کرتے۔ نگم صاحب ان لوگوں کی جو خاص طور پہ V.I.P کی حیثیت رکھتے ہیں۔ V.I.P جیسا انتظام کرتے۔ میوزیم دکھانے کے لئے کسی ایک شخص کو ان کے ہمراہ کیا کرتے۔ سکریٹریٹ میں کسی قسم کی کارروائی کیوں نہ ہو اہل غرض شخص

کو مجھ سے ملنے کے لئے فرماتے۔ عابد علی خاں صاحب جب کبھی دلی جاتے مجھ سے گیسٹ ہاؤز دلی کے ریزرویشن کے لئے فرماتے اور میں فی الفور آرڈر جاری کرواتا ــــــ جب اُردو اکیڈیمی کا قیام عمل میں آیا تو عابد علی خاں صاحب کو حکومت نے مجلسِ عاملہ کا صدرنشین مقرر کیا تھا۔ عابد علی خاں صاحب کی سفارش پر حکومت نے ممتاز طنز و مزاح نگار بھارت چند کھنہ ریٹائرڈ آئی۔ اے۔ یس کو سکریٹری اُردو اکیڈیمی مقرر کیا۔ سابق ایم۔ ایل۔ سی صدر انجمن ترقی اُردو شمس ہیرالال موریا نے راماین کا مکمل منظوم ترجمہ (نثری شاعری) تین جلدوں میں شائع کیا۔ زاید از ایک ہزار صفحات پر مشتمل راماین میری نگرانی میں کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ میں نے کتابت سے طباعت کے تمام مرحلے اپنی نگرانی میں طئے کئے۔ موریا صاحب اُن دنوں مجھ سے ملنے سیاست آتے تھے۔ جب جگر صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ راماین کا اُردو ترجمہ شائع ہو رہا ہے تو اُنھوں نے انتخاب پریس سے ہر ممکنہ سہولت فراہم کی۔ اس طرح مختلف زبانوں کے شاعروں، ادیبوں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے تھے۔ اضلاع میں حکومت کی سطح پر ہو کہ کسی انجمن کی سطح پر اُردو کانفرنس ہو یا مشاعرہ ہو تو متعلقہ اصحاب کی مدد کرتے۔ مجھے بھی یہ ذمہ داری سونپی جاتی کہ ان جلسوں اور مشاعروں کی خبروں کی تشہیر میں تعاون کیا کروں۔ سیاست کے تعاون سے بیسیوں اُردو کانفرنسیں اور مشاعرے ہوتے رہے۔ تہذیبی شعور جناب تجمل حسین کی تہذیبی خدمات کے معترف تھے۔ کہتے کہ تجمل حسین صاحب کے تعاون کی وجہ سے حیدرآباد

میں کئی تہذیبی و محفلِ موسیقی کے پروگرام عمل میں لائے جاتے ہیں ۔ اس طرح تجمل حسین صاحب کی تصویریں پابندی سے شائع ہوتی رہیں ۔ خاتون ادیبوں میں ڈاکٹر زینت ساجدہ کی تحریروں سے متاثر تھے ۔ اکثر موضوعات پر ان سے مضامین لکھواتے تھے ۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ ، منوہر راج سکسینہ کی اُردو خدمات کے معترف تھے ڈاکٹر سید عبدالمنان اور پروفیسر جعفر نظام کا احترام کرتے تھے ۔ پروفیسر مغنی تبسم کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ سیاست کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں اور کہتے کہ مغنی ہمارے آدمی ہیں ۔ اُردو زبان سے ان کی دلچسپی اور ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو محسوس کرتے ہوئے عابد علی خاں صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ اُنہیں ادارۂ ادبیاتِ اُردو کا معتمد بنایا جائے ۔ اس طرح اُنہیں ادبی ٹرسٹ کے ایک اجلاس میں ادبی ٹرسٹ کا ٹرسٹی بنایا گیا ۔ ڈاکٹر اکبر علی بیگ ادارۂ ادبیاتِ اُردو کے امتحانات کے سلسلے میں جس انداز سے دلچسپی لیتے تھے سراہا کرتے ۔ عابد علی خاں   ایجوکیشنل ٹرسٹ کے تعلیمی پروگرام کے سلسلے میں بھی اکبر علی بیگ کے تعاون کو محسوس کرتے رہتے تھے ۔ پرانے شہر میں منوہر راج سکسینہ کے ساتھ ساتھ غلام صادق الدین جہاندار افسر ، نواب نورالدین کا نام لیتے تھے ۔ جنہیں اُردو زبان و ادب سے دلچسپی ہی نہیں اُردو سرگرمیوں سے لگاؤ بھی ہے ۔ نواب نورالدین خاں سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھواتے ۔ نواب نورالدین خاں کے بہت سے تحقیقی موضوعات پر تحریریں شائع ہو چکی ہیں ۔ ڈاکٹر داؤد اشرف کے تحقیقی مضامین کو بھی اہمیت دیتے تھے ۔ خاص طور پر

شاہانِ آصفی ہونے سے متعلق ان کی تحریروں کو سند کا درجہ دیتے تھے۔ قطب شاہی / قطب شاہوں ــــ سے متعلق مضامین کے سلسلے میں عبدالقیوم سے تعاون حاصل کرتے، چنانچہ سیاست کی مطبوعات میں ان کی کتاب بھی شامل ہے۔ پروفیسر احمد اللہ خان کی قانونی صلاحیتوں، ڈاکٹر حمید الدین شرفی کی مذہبی معلومات کو اہمیت دیتے تھے۔ مولانا مفتی اعظم علی صوفی اور مولانا رضوان القاسمی کے تبحرِ علمی کے بھی معترف تھے۔ مختلف مذاہب کے دانشوروں کی تحریروں سے قارئین کو فیض یاب ہونے کا موقع فراہم کرتے تھے۔ شہر میں ہر اچھے لکھنے والوں کی اہمیت کو سراہتے ہوئے سیاست کے لئے مضامین منگواتے اور انہیں اہتمام کے ساتھ شائع کرتے۔ علمائے کرام و صوفیائے عظام کی قدر و منزلت میں کبھی کمی نہیں کی۔ ان کے علاوہ مختلف شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے مختلف نظریات کے صاحبانِ فکر و نظر کی خدمات کے معترف تھے۔ غیر مسلم اُردو ادیبوں، شاعروں کی تخلیقات کی اشاعت میں فراخ دلی کا ثبوت دیتے تھے۔ گوپال راؤ ایکبوٹے، رائے محبوب نارائن، راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر نارائن ریڈی، منوہر راج سکسینہ، کے. یل. مہندرا، ایم. یا گا ریڈی، چندر بھان بھارت، نریندر لوتھر، مہیپال سنگھ ورما، کی تخلیقات سیاست میں زیادہ شائع ہوتی رہی ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کو بڑا شاعر مانتے تھے۔ اور ایک نقاد کی حیثیت سے بھی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کے معترف تھے۔ تبصروں کے لئے تمام اُردو معیاری کتابیں علی احمد جلیلی صاحب کو دی جاتیں۔ وہ بہت جلد تبصرہ کیا کرتے ہیں۔ سعید شہیدی

کی وضع داری اور ان کا کلاسیکی انداز انہیں پسند تھا۔ امیر احمد خسرو کی قلندرانہ مزاجی اور ان کی نغمہ ریز شاعری کے دلدادہ تھے۔ خورشید احمد جامی، شاہد صدیقی کی شاعرانہ عظمتوں کو خراج پیش کرتے رہتے تھے۔ رئیس اختر کی طرح ناصر کرنولی کو بھی عزیز رکھتے تھے۔ کنول پرشاد کنول اور ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید کی موضوعاتی نظمیں زیادہ شائع ہوتی رہی ہیں۔ مومن خاں شوق کو بھی موضوعاتی نظموں کے لئے توجہ دلایا کرتے تھے۔ شفیع اقبال کے کلام کی اشاعت بھی سیاست میں ہوتی رہی ہے۔ شفیع اقبال نے ایک کل ہند مشاعرہ کروایا تھا جس میں عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب کا بھرپور تعاون رہا۔ "بزم جوہر" کے بارے میں کہتے کہ پرانے شہر میں بزم جوہر کے جلسے پابندی سے ہوا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر راہی کی ادبی و شعری سرگرمیوں سے خوش ہوتے تھے۔ جگر صاحب میں ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وہ ایسے پانچویں درجہ کے شاعر جو امراض لاعلاج کی طرح شعر و ادب کی محفلوں میں داخل ہوئے ہیں، ہو رہے ہیں جو اچھی خاصی محفلوں کو زہر آلود بنا رہے ہیں انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

کچھ عرصہ پہلے تک جیلانی بیراک ہر جمعہ کو صبح ۱۰ بجے پابندی کے ساتھ عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب سے ملاقات کے لئے آتے۔ سجادہ نشین گلبرگہ کی قابلِ تقلید علمی و تعلیمی خدمات کے معترف تھے۔ اورنگ آباد کے قاضی سلیم اور بشر نواز، پربھنی کے میر ہاشم علی، پروفیسر میر تراب علی اور رشید صاحب کی علمی و ادبی خدمات سے متاثر تھے۔ فرماتے کہ حیدرآباد، مہاراشٹرا میں بھی

قابل لوگ ہیں جن کی قدر کرنی چاہیئے ۔ فلمی شخصیتوں سے متعلق علی مرزا کے بہت سے انٹرویو شائع ہو چکے ہیں جگر صاحب مرزا کی تحریروں کو بھی پسند فرماتے تھے جلیل بادشاہ کی کامیاب صفت سرگرمیوں کو بہ غور دیکھا کرتے ۔ اور ان کی خبریں نمایاں طور پر شائع فرماتے ۔ محمد اعظم کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ وہ زاہد علی خان صاحب کے قریبی دوست ہیں ۔ ڈائرکٹر اردو اکیڈیمی مسعود بن سالم کے بارے میں فرمایا کرتے وہ ایک بے حد شریف انسان ہیں ۔ غلام احمد کے تذکرے پر فرماتے انہیں اردو کے سینکڑوں شعر یاد ہیں ۔ نواب شاہ عالم خان کی وضعداری کے قائل تھے ۔ مکتر شاہ مرحوم کو بھی غیر معمولی شریف آدمی سمجھتے تھے ۔ نمائش سوسائٹی کے غلام محی الدین جیلانی ۔ پنڈت جی کو عزیز رکھتے تھے ۔ کسی مذہبی مضمون کے بارے میں کوئی بات دریافت کرنی ہو تو فرماتے فرمایا شاہ صاحب سے مل لو ۔ لائٹ کا مسئلہ ہو تو فی الفور میر کمال الدین علی خاں صاحب کی خدمات حاصل کی جاتیں ۔ نہپال سنگھ ورما کی ہندی خدمات سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کے جلسوں خاص طور پر گیت چاندنی اور ہندی لیکھک کی خبریں نمایاں طور پر شائع کی جاتیں ۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل کے مشاعروں کے سلسلے میں ہندی کے شعراء کی فہرست مانگتے اور ان سے مشورے کرتے ۔ وہ چاہتے تھے کہ حیدرآباد میں ہندی اردو کے ملے جلے مشاعرے ہوتے رہیں ۔ اور سارے ملک میں لسانی ہم آہنگی میں حیدرآباد کا نام روشن رہے ۔ مجھے ہدایت فرماتے کہ اردو مشاعروں میں ہندی کے شاعروں کو لازماً مدعو کیا جاتا رہے ۔

سیاست کے لئے ہندی کے شاعروں کی کویتا ؤں کے لئے ورما صاحب کو توجہ دلاتے۔ ہندی کے جلسوں اور مشاعروں کی تصویریں سیاست میں شائع فرماتے۔ ورما صاحب کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ہندی کے جلسوں کی تصویروں کا انتظام کریں اور اس کا پے منٹ سیاست سے ہوتا رہا۔ ورما کی طرح ڈاکٹر اندو وشسشٹ کو ہی نہیں ڈاکٹر نگم کو بھی ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی شاعرہ میں مدعو فرماتے بیرونی ملک میں مقیم (امریکہ۔ سعودی عرب) حیدرآبادیوں کو ادبی کتابوں کی ضرورت ہو تو حسامی بک ڈپو کے مالک نصیر صاحب کو تعاون کرنے کے لئے فرماتے مہمان شعراء کے ریزرویشن کا مسئلہ درپیش ہو تو ایم۔ اے۔ رؤف صاحب کا تعاون حاصل کیا جاتا۔ رؤف صاحب اس سلسلے میں ہمیشہ تعاون کرتے رہے۔ ترقی پسند شعراء میں مخدوم، مجروح، ساحر، سردار جعفری ان کے پسندیدہ شاعر تھے فیض کی نظم تین آوازیں نوجوان گلوکار خان اطہر سے سنتے رہتے سعید شہیدی کی تنک مزاجی کے ساتھ ساتھ ان کی وضعداری کو پسند کرتے تھے۔ معقول لوگوں کی فہرست میں پی۔ نرسا ریڈی، شیو شنکر، رحمت علی، آصف پاشا خلیل الرحمٰن بھی شامل تھے۔ ایل۔ این۔ گپتا، رائے جانکی پرشاد، کی اُردو دوستی کے معترف تھے۔ سکھوں کی تقاریب کے سلسلے میں نانک سنگھ نشتر سے مضامین کی خواہش کرتے ــــ راج بھون کی تقاریب کے سلسلے میں جب کبھی مسٹر کے۔ ایل۔ گاندھی، عابد علی خاں صاحب، جگر صاحب اور زاہد علی خاں صاحب سے تعاون کی خواہش کرتے تو ان کی خواہش کا احترام کیا جاتا۔ مسٹر کے۔ ایل گاندھی

سے ملک کے بٹوارے کے موضوع پر اردو ناول "بے نام رشتے" کی اشاعت کے سلسلے میں جگر صاحب اور زاہد علی خاں نے تعاون کیا۔ حسنِ اتفاق کہیے کہ اس ناول کی اشاعت کا محرک راقم الحروف رہا۔ میں نے ہی کتاب کا نام "بے نام رشتے" تجویز کیا تھا۔ یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں جگر صاحب اور زاہد علی خاں سے مشورہ کریں۔ راج بھون سے رشتے کو استوار کرنے کے سلسلے میں ایک اور کتاب شائع ہوئی۔ دلی کے ایک پبلشر نے اس ناول کو دیوناگری رسم الخط میں شائع کیا ہے۔ اس ناول کا ہیرو ایک مسلمان (زاہد) ہے جو ایک زمیندار صالح نوجوان ہے اور اس ناول کا مرکزی کردار ایک ہندو خاتون سیما ہے۔ یہ پورا ناول سچے واقعات پر مبنی ہے۔) زاہد س خاتون اور اس کی کم سن بیٹی کے تحفظ کے لئے جان کو خطرہ میں ڈال کر ہندوستان کی سرحد تک پہنچا دیا۔ ان کی مکمل حفاظت کی۔

ڈاکٹر شیام سندر اپنی پوری وضع داری کو نبھاتے ہوئے جگر صاحب کی ہر سفارش کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ جگر صاحب کی دونوں آنکھوں کا آپریشن ڈاکٹر شیام سندر نے کیا تھا۔ عارضۂ قلب کے سلسلے میں ڈاکٹر سدھیر کمار ماں کے معالج رہے۔ دیگر عارضہ بخار، کھانسی وغیرہ کا علاج ڈاکٹر شاہد علی خاں فرزند عابد علی خاں کیا کرتے تھے۔ نمائش سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے شنکرجی کے ساتھ افضل محمد محی الدین جیلانی کا تذکرہ بھی خوشگوار انداز میں کیا کرتے تھے۔ رہنما جاری آئی۔اے۔ایس، عابد علی خاں صاحب اور جگر صاحب

کی بے حد قدر کرتے تھے۔ ان کی ہر سفارش کو دل سے قبول کرتے تھے۔ بھاگ متی کی قبر کی تعمیر کے علاوہ تمثیلی مشاعرہ حیدرآباد کے جشن ۔۔۴۰۰ سالہ تعارفی تقاریب کے لیے جو چار مینار کے دامن میں منعقد ہوا تھا۔ ۲ ہزار روپے قلی قطب شاہ ڈیولپمنٹ سے رقمی امداد کی تھی۔ اردو دوستی اور حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب سے ان کی دلچسپی کو سراہتے تھے۔

سینیئر سیول انجینئر دلی قادری سے کنسٹرکشن کے مختلف معاملات میں تعاون حاصل کیا جاتا رہا۔ اُردو گھر کا ڈزائن ان ہی کا مرہون منت ہے۔ اُردو اکیڈیمی سے متعلق کوئی بات ہو تو کہتے کہ حسن فرخ سے مل لو۔ اگر کوئی اُردو دانشور مدعو ہوتے تو اُردو اکیڈیمی کے معائنہ کے لئے بھی تعاون کرتے۔ ایسے موقع پر بھی حسن فرخ کو توجہ دلاتے۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد کے مضامین بھی سیاست میں شائع ہوتے رہے۔ وہ جب بھی جگر صاحب سے ملاقات کرتے پوری توجہ کے ساتھ اُن کی تحریروں کی پذیرائی کرتے۔ حیدرآباد کے مشاعروں میں امیر احمد خسرو کے سحر آگیں ترنم سے بھی متاثر تھے۔ کہتے تھے کہ جامعہ عثمانیہ کے شاعروں میں خسرو ہر دلعزیز شاعر تھے۔ مخدوم محی الدین کے بانکپن، سکندر علی وجد کی کج کلاہی کو قابل رشک سمجھتے تھے۔ اوج یعقوبی، شاذ تمکنت، سلیمان اریب، کی شاعرانہ حیثیت کو تسلیم کرتے۔ علی الدین نوید کی شاعری بھی اُنہیں پسند تھی۔ عابد علی خاں صاحب بھی علی الدین نوید کے کلام کے قدرداں تھے۔ تراب الحسن آتے تو خوش ہوتے اور ان کے بھائی عابد حسین کے بارے میں ضرور پوچھتے۔ عابد حسین صاحب کے سلسلے میں تراب صاحب سے بات کرنے کے لئے مجھ سے فرماتے کہ تراب صاحب کو

نسیمہ تراب الحسن کے مضامین اور شاعری بھی شائع فرمایا کرتے۔

فون ملاؤ — بعض خطوط جو میرے خلاف ہوتے تو کہتے نیر آپ کے خلاف آیا ہے۔ پڑھو اور پھاڑ کر پھینک دو۔ کہتے تم سے جلتے ہیں۔ نامعقول و کینہ پرور لوگ ہیں۔ جگر صاحب کبھی بھی منفی تحریروں کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ وہ بغض و کینہ پرور لوگوں سے اچھی طرح واقف تھے۔

آفس میں بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ وہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ ایک دن جگر صاحب نے مجھ سے فرمایا، عرشیہ اور حامد قادری اپنے ساتھ حج کے لئے لے جانا چاہتے ہیں۔ جگر صاحب کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ کبھی بھی کوئی فیصلہ اچانک کرتے ہیں۔ دراصل وہ اخبار سے اس قدر جڑے ہوئے رہتے کہ شہر چھوڑ کر جانا ہی نہیں چاہتے۔ ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ اضلاع کے کسی پروگرام میں شرکت کا ارادہ تو کر لیتے لیکن عین وقت پر ارادہ بدل دیتے تھے۔ اگر کوئی ادبی شخصیت شہر آتی اور ان کا خیر مقدمی جلسہ ضروری ہوتا ہو تو مجھ سے سنتے ہوئے کہتے رئیس اختر کی ایک ادبی انجمن (دیار ادب) ہے نا اُس سے جلسہ کروا دو۔ خرچ کی فکر مت کرو۔ جب عابد علی خاں صاحب انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش سے کنارہ کش ہوئے تو اپنی ساری توجہ ادارہ ادبیات اُردو اور اُردو گھر کی طرف مبذول کی۔ ادارہ ادبیات اُردو کا مالیہ مستحکم کیا۔ اس طرح اُردو گھر کا مالیہ بھی مستحکم کیا۔ عابد علی خاں صاحب کی شخصی دلچسپی سے ادارہ ادبیات اُردو

ایک کارکرد ادارہ بن گیا ہے ۔ پروفیسر مغنی تبسم جیسی نامور شخصیت کو سکریٹری بنا دیا گیا ۔ مغنی تبسم ہمہ وقتی اعزازی سکریٹری ہیں (یعنی سوارکا لاؤنس بھی نہیں لیتے) جن کا زیادہ تر وقت ادارہ کی خدمات میں گزر رہا ہے ۔ پروفیسر جعفر نظام صدر ادارہ جناب زاہد علی خاں صاحب نائب صدر ادارہ اور دیگر ارکان بھی ادارہ کے تحفظ کے لئے مخلص ثابت ہو چکے ہیں ۔ سیاست کے ڈسپلن کا یہ عالم ہے کہ ہر ملازم مقررہ وقت سے ۵، ۱۰ منٹ پہلے آفس آجاتا ہے ۔ سیاست اخبار کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے ایک دفعہ مجھ سے اسمٰعیل حیدرآبادی نے کہا تھا کہ سیاست سے وابستگی قسمت والوں کی بات ہے ۔ سیاست وہ اخبار ہے جس کے باب الداخل کے اوپر آویزاں بورڈ کے نیچے کھڑے رہنے سے آدمی بڑا ہوجاتا ہے ۔ سیاست اخبار کا معیار ہی کچھ ایسا ہے کہ شعراء و ادیب اپنی تخلیقات کی اشاعت سے مسرت محسوس کیا کرتے ہیں ۔

پروفیسر عالم خوندمیری کے تبحر علمی، پروفیسر سراج الدین کی دانشوری، تعمیر ملت کے بانی سید خلیل اللہ حسینی کی ملت پرستی، مولانا سلیمان سکندر اور مولانا عبدالکریم قریشی کی وطن پرستی ۔ ظہیر الدین اور کریم رضا کی تعمیر ملت و بزم اقبال سے گہری وابستگی کو محسوس کرتے تھے ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کا طرز تخاطب، رشید قریشی پروفیسر حنیف ضیا، رشید موسوی، مسیح انجم کے طرز تحریر متوجہ کرتی ۔ ضیاء الدین شکیب، مضطر مجاز، ڈاکٹر یوسف کمال کے علمی و ادبی شغف سے باخبر تھے ۔ ہاشم حسن سعید سے کہتے مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہے ہو، سیاست کے لئے بھی کچھ لکھا کرو ۔ متمنی رہے کہ سلطان صلاح الدین اویسی اور امان اللہ خاں کے

اختلافات دور ہو جائیں۔ وقارالدین ایڈیٹر رہنمائے دکن "یدھ ویر جی" ایڈیٹر "ملاپ" سے خوشگوار تعلقات تھے۔ میں نے کسی وقت بھی دوسرے اخباروں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ جب بھی سوچتے اپنے اخبار کی بہتری کے لئے سوچتے تھے۔ کے۔ ایم۔ عارف الدین کا اخبار علام اپنے انداز سے شائع ہو رہا ہے۔ جگر صاحب کا یہ خیال تھا کہ کوئی اخبار دوسرے اخبار کے طریقہ کار میں حائل نہیں رہتا۔ انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی تیز کارکردگی کے خواہاں تھے ان کا خیال تھا کہ اُردو کے مسائل اُردو کی نمائندگی کے لئے انجمن ترقی اُردو ہی ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ گولکنڈہ کی متحرک فعال شخصیت منظور ظفر کی عوامی و فلاحی سرگرمیوں کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے تھے۔ نصرت محی الدین کو ایک سرگرم عمل نوجوان سمجھتے تھے۔ عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ اور ادارۂ ادبیات اُردو کے زیرِ انتظام ہونے والے اُردو امتحانات کے سلسلے میں ڈاکٹر اکبر علی بیگ اور ڈاکٹر انورالدین کی خدمات کو سراہتے تھے۔ سکندرآباد میں ادبی و شعری سرگرمیوں کے سلسلے میں محسن جلگانوی کی قدر افزائی کرتے۔ رؤف خیر، ڈاکٹر مسعود جعفری کا کلام پسند کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ س۔ د۔ عشرت بیگ لاابالی مگر قلم کے صحافی ہے۔ نواب میر سراج الدین علی خاں منتظم ادارۂ ادبیاتِ اُردو کی خدمات کی دل سے قدر کرتے تھے۔ ممتاز قانون داں جسٹس سردار علی خاں کی صلاحیتوں کے معترف تو تھے ہی اُن سے نگراں کمیٹی کی سفارشات کے سلسلے میں عابد علی خاں صاحب کے ساتھ خود بھی مشورہ کرتے تھے۔ فاطمہ

عالم علی خاں کی تحریروں کی طرح ڈاکٹر سیدہ جعفر کی تحریروں کو بھی سیاست
میں مناسب جگہ دی جاتی ۔ سعید بھائی (انقلاب) کی تہذیبی خدمات، انجمنوں اور
ادبی تقاریب کی سرپرستی کے سلسلے میں ان کے تعاون کو پسند کرتے تھے ادبی
جلسوں کی تصویروں کے سلسلے میں فرماتے تھے کہ شوکت زیادہ مصروف رہتے
ہیں، مجید کو فون کرو۔ مجید فوٹوگرافر کا بھی سیاست کو تعاون حاصل تھا۔
دفتر کے خدمت گزاروں میں حاجی اذفر یادی، غوث پاشاہ، نرسنگ کے علاوہ اکبر ۔ جو کمیدار کی فرض شناسی
کو سراہتے تھے ۔ احساس ذمہ داری اور وابستگی کو پسندیدگی نظر سے دیکھتے تھے ،
کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ دستگیر صاحب اور عابد حسین صاحب
سے ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کے پوسٹر بھی
بھی لکھواتے تھے ۔ رفیعہ قادری، لئیق صلاح، شمیم ثریا (گلبرگہ) کی تحریریں
بھی سیاست میں جگہ پاتیں ۔ راشد آزر کے کلام شائع کرنے کے علاوہ انہیں بچوں
کے لئے معیاری کتابیں بھی دی جاتی تھیں ۔ خواجہ شوق کو صفی اسکول کے اہم
شاعر مانتے تھے ۔ شاگردانِ فصاحت جنگ جلیل میں منوہر لال بہار کی غزلیں
بھی سیاست میں شائع ہوتیں ۔ ضعیف العمری کے باوجود جب وہ سیاست
آتے تو جگر صاحب فرماتے آپ آئندہ سے تشریف مت لائیے۔ کسی کے ذریعہ
کلام بھجوائیے، چھپ جائے گا۔ کنول پرشاد کے بارے میں فرماتے کہ
ان کی ایک نظم ابتدائی شاعری کے زمانے میں مجھ سے میرا نام لیے چھپ گئی تو بہت مشہور
ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں ایک دو لطیفے بھی سنایا کرتے تھے ڈاکٹر افضل محمد صاحب

سے خاص خاص موضوعات پر مضامین لکھواتے ـــ فسادات ۱۹۹۰ء کے دوران شہر میں جب مُسلسل کرفیو نافذ تھا تو ان دنوں کوی تا کرن کی ایک پُر اثر موضوعاتی نظم شائع ہوئی تھی۔ مجھ سے فرماتے کہ نہیال سنگھ ورما سے کہو کہ ہندی کے شاعروں کی بھی نظمیں سیاست میں اشاعت کے لیئے فراہم کریں۔ سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے وابستگان میں خواجہ بہاء الدین، عباس ہاشمی اور شکیل احمد کی دیانتدارانہ مساعی کو حوصلہ دیتے ـــ غلام یزدانی ایڈوکیٹ ہی نہیں عبدالقدوس ایڈوکیٹ کی طرح ڈاکٹر حیدر خان اور ڈاکٹر رام پرشاد کی خدمات سے بھی کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے۔ دکن کی نامور شاعرہ بانیٔ محفلِ خواتین محترمہ عظمت عبدالقیوم کی شاعری کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر وزارت رسول خاں کی تعلیمی خدمات کو سراہتے تھے۔ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ غلام صادق الدین کو اُردو تحریک اور عوامی زندگی سے وابستہ کرنے میں نواب میر احمد علی خاں صاحب کی سرپرستی کو دخل ہے۔ پروفیسر سیّد محمد کے نورِ نظر سیّد نور محمد (مالک اعجاز پریس) کی ذمہ دارانہ روش کو پسند کرتے تھے اور اسی بنیاد پر سیاست کا بہت سارا کام اعجاز پریس کے حوالے کیا جاتا۔ (اب بھی سلسلہ جاری ہے) حیدرآباد میں ایرانیوں میں حسین ضابط کی حیثیت بہت اہم ہے۔ انہیں اس کا اندازہ ہوا کرتا تھا۔ جگر صاحب، عابد علی خاں صاحب سیاست کو آنے والے مہمانوں کے لیئے سیاست کے گیٹ سے لگی ہوئی ایرانی ہوٹل سے چائے منگوائی جاتی تھی ـــ (اب بھی وہ روایت باقی ہے) ـــ

غالب خوندمیری کی مزاحیہ و طنزیہ شاعری پسند تھی۔ سیاست میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ مختلف موضوعات پر مشتمل معیاری تحریریں مضامین بھی سیاست کے کالموں میں جگہ پاتے ہیں۔ ڈاکٹر عقیل ہاشمی کے مضامین سیاست میں چھپتے رہتے ہیں۔ نئے اچھے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔

جب رئیس اختر صاحب کو جگر صاحب کے حج بیت اللہ شریف کے سفر کی اطلاع ملی تو ایک دن، شام کے وقت سیاست پہنچے — جگر صاحب کی گلپوشی کی اور ہم تینوں نے تصویر کھنچوائی۔ جگر صاحب نے رئیس اختر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں حج کے لئے جارہا ہوں رئیس اختر نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ نیر صاحب نے مجھے بتلایا اور میں اس موقع کو غنیمت جان کر حاضر ہوا ہوں۔

جگر صاحب رمضان شریف کا بہت احترام کرتے تھے۔ اسٹاف کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے۔ سیاست آفس میں افطار کا معقول انتظام کیا جاتا ہے۔ آس پاس کے روزہ دار بھی افطار میں شریک رہتے۔

جگر صاحب شاعروں، ادیبوں اور ان کے افراد خاندان کی شادیوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ کسی سے کوئی خاص مراسم ہوں تو دعوت ولیمہ میں بھی شریک ہوتے۔ جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب عموماً دعوتوں میں بہت کم شرکت کرتے تھے۔ میرے بڑے بیٹے شمس الدین عارف

کے نہ صرف عقد میں شریک رہے بلکہ عابد علی خاں صاحب بھی دعوت ولیمہ میں شریک رہے۔ میرے علاوہ میری جانب سے لوگس حیدرآبادی نے بھی میزبانی کی تھی۔ یہ دونوں شخصیتیں اپنے خاص لوگوں کے جذبات کا خیال رکھتی تھیں ایسے وضع دار لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔

جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب کا پسندیدہ لباس شیروانی تھا شیروانی کے علاوہ کسی اور لباس میں اُنہیں کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ وضع داری کی حد تک حیدرآبادی لباس شیروانی کو پسند کرتے تھے۔

عابد علی خاں صاحب سے ملنے والے اصحاب جگر صاحب سے بھی لازماً ملتے تھے۔ خاص طور پر شاعروں، ادیبوں سے ملاقات تو لازماً رہتی

حیدرآباد کے ایک ممتاز عثمانین جو گزشتہ ۳۰، ۳۵ برس سے جدہ میں مقیم ہیں سعید محسن باغزال صاحب سے دیرینہ ملاقات تھی۔ باغزال صاحب جب بھی حیدرآباد آتے جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب سے ملنے کیلئے آتے۔

جس وقت عراق، کویت پر حملہ آور ہوا تو اس افراتفری کے عالم میں جناب ہوشدار خاں نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ خاص طور پر حیدرآبادیوں کے لئے جو کویت میں مقیم تھے بڑی مدد کی۔ جگر صاحب ان کے اس جذبۂ انسانیت کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ثمایا سلطانہ کی شاعری کو پسند کرتے تھے

رمضان شریف اور عید الفطر (ہلالِ عید) کی تاریخ کے سلسلے میں اطلاعات پہونچانے کے لئے سیاست کا اسٹاف کافی مصروف رہتا۔ سینکڑوں

ٹیلیفون کالس کا جواب دیا جاتا۔ اسی طرح الکشن کے ریزلٹ کے سلسلے میں سیاست کا متعلقہ اسٹاف چاق و چوبند رہتا ۔ سیاست کے انتظامیہ کا یہ بھی ایک رُخ ہے۔ حیدرآباد سے متعلق ہو کہ مسلمانوں کے عیدین سے متعلق، گورنر آندھرا پردیش اور چیف منسٹر حکومت آندھرا پردیش کی خواہش پر سیاست سے مطلوبہ معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کے لئے شہر کے شاعروں کے لئے سیاست کا آفس سنٹر کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ شعراء کی چائے سے تواضع کی جاتی ۔ یہیں سے تمام شاعر موٹر کار کے ذریعہ مشاعروں میں شرکت کرنے کے لئے روانہ ہوتے۔ شعراء کے ساتھ ہر ممکنہ تعاون فرماتے۔

سیاست کے کاونٹر سیل پر حیدرآباد کے بعض مشہور اہل قلم حضرات کی کتابیں بغرض فروخت رکھی جاتی ہیں۔ سیاست کی مطبوعات کی قیمت بہت کم رکھی جاتی جس کی وجہ سے بہت جلد کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ مناسب موقع پر سیاست مطبوعات کی رسم اجراء تقریب منعقد کی جاتی ہے۔

اگر کوئی بیرونی شاعر اپنی کتابیں فروخت کرنا چاہتا ہے تو مروتاً ہی سہی کچھ کتابیں خرید لی جاتیں جو اردو گھر اور کچھ اور مقامات پر روانہ کی جاتیں شاعروں، ادیبوں سے تعاون کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔

بعض لوگ جنھیں مجھ سے کچھ زیادہ ہی دلچسپی تھی انہیں یہ کہتے سنا ہے کہ مگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب نے نیر کو بہت سر چڑھالیا ہے

(یعنی وہ مجھے بہت چاہتے ہیں)۔

شہر کے ایک ویمنس کالج کے مشاعرے میں مخدوم محی الدین، سلیمان اریب کے ساتھ ساتھ صلاح الدین نیر اور ناصر کرنولی بھی مدعو تھے ہم دونوں نے بھی کلام سنایا تھا۔ خاتون اساتذہ اور طالبات سے کالج کا آڈیٹوریم کھچاکھچ بھرا ہوا تھا۔ مشاعرہ کے ایک خوشگوار موڑ سے متاثر ہو کر ناصر کرنولی اور میں نے علحدہ علحدہ ایک غزل جس کی ردیف غزل ہوتی ہے کہہ لی پھر ہم نے مشترکہ اشعار کی غزل کی اشاعت کے لئے جگر صاحب سے خواہش کی۔ جگر صاحب نے ایک غزل "دو شاعر" کے عنوان سے غزل شائع فرمائی۔ اس طرح وہ اُس دور کے ہر نوجوان شاعر و ادیب کی تخلیقات کی اشاعت سے دلچسپی رکھتے تھے۔

ریڈ ہلز میں رہنے والے ایک صاحب غالباً ان کا نام ارشد یار رشید ہے جو پیشہ درس و تدریس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک زمانے میں وہ کوئی ایک مسئلہ لے کر سیاست اکثر آتے تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی آتے کسی نہ کسی کی شکایت ضرور کرتے۔ خاص طور پر اردو والوں کی اور اردو اداروں کی۔ ہمیشہ اردو کی بات کرتے حالانکہ ان کے اور اردو کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔ جگر صاحب نے ایک دن اُن سے کہا کہ جب بھی آپ آتے ہیں کسی نہ کسی کی شکایت لے کر آتے ہیں۔ کبھی تو اچھی بات کیجئے۔ انہیں مشورہ دیا کہ آپ اپنا کام دل لگا کر کیجئے۔ کون کیا کرتا ہے اسکی فکر مت کیجئے۔ یہ سنکر وہ صاحب خاموش ہو گئے اسکے بعد میں نے انہیں کبھی سیاست میں نہیں دیکھا۔ جگر صاحب کی یہ خوبی تھی کہ وہ ہر بات صاف صاف کرتے ان کے کان اچھی باتیں سننے کے عادی تھے۔

سیاست کے مختلف ادبی و تہذیبی شعبوں کے علاوہ مختلف نوعیت کی خبروں کی مستقل سرخیوں کے لئے نامور تزئین کار جناب سلام خوشنویس اور ممتاز آرٹسٹ و خوشنویس جناب غوث محمد صاحب کی خدمات سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ یہ دونوں نامور فنکار سیاست کے شعبۂ کتابت سے بھی وابستہ رہے۔ سیاست کے سینئیر کاتبین میں دستگیر صاحب، ضمیر نظامی صاحب، عابد حسین صاحب، عادل محمود، رشید صاحب بھی قابلِ ذکر ہیں۔ جن کے بروقت تعاون سے جگر صاحب متاثر تھے۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کے اشتہار لکھنے کے لئے دستگیر صاحب اور عابد حسین صاحب پیش پیش رہتے تھے۔ اگر کوئی مدعو شاعر وعدہ کرنے کے باوجود شرکت نہ کرنے کی اطلاع دے تو فی الفور کسی متبادل شاعر کا انتظام کیا جاتا۔ مشاعرہ کی تاریخ سے ۱۰،۸ دن پہلے ہی سے متحرک ہو جاتے۔ اجازت ناموں کی حصولی کی ذمہ داری جاہد صدیقی صاحب کو سونپی جاتی۔ سوونیئر کے اشتہارات کے لیئے منور علی صاحب کو مقرر کیا جاتا۔ مشاعرہ کے سلسلے کی تمام مراسلت میرے ذمہ ہوتی میں مسودہ پیش کرتا، منظوری کے بعد جناب عابد علی خاں صاحب کے دستخط سے خطوط جاری ہوتے۔ مسودہ جگر صاحب منظور کرتے، عابد علی خاں صاحب بھی مسودہ دیکھ لیا کرتے ــــ مشاعرہ گاہ کا مکمل انتظام اور لیزری نگرانی جناب ہاشم سعید کی ہوتی۔ منور علی صاحب اُن کے معاون رہتے۔ مشاعرہ گاہ کا سارا انتظام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ

انجام پاتا۔ اگرچہ مشاعرہ کی تمام سرگرمیوں کے سربراہ جگر صاحب ہوتے لیکن تمام امور سے متعلق عابد علی خاں صاحب باخبر رہتے۔ دونوں مشاعروں کے سلسلے میں انتظامی امور سے متعلق جو کچھ اخراجات ہوتے وہ ادارہ سیاست برداشت کرتا۔ مشاعرہ راست جگر صاحب کی نگرانی میں جاری رہتا۔ اگر مشاعرہ جم نہ رہا ہو تو مجھ سے فرماتے کہ ناظم مشاعرہ سے کہو فلاں مہمان شاعر کو پڑھایا جائے۔ جگر صاحب کی یہ ہدایت ہوتی کہ میں ناظم مشاعرہ کے پاس ہی بیٹھا رہوں۔ دوران مشاعرہ مشاعرہ کی کارروائی کے سلسلے میں کوئی تبدیلی مقصود ہو تو میں جگر صاحب اور ناظم مشاعرہ کے درمیان رابطہ کا کام کرتا تھا۔ دفتر کا سارا عملہ مشاعرہ کے انتظام سے وابستہ ہو جاتا۔ مشاعرہ کے پاس بس فراخدلی کے ساتھ جاری کرتے۔ پاس کا باضابطہ حساب رکھا جاتا۔ جگر صاحب کی منظوری کے بغیر کوئی شخص پاس نہیں لے سکتا تھا۔ مشاعرہ کے ایک ہفتہ پہلے ہی سے سیاست اور شہر کے دوسرے اردو اخبارات میں مشاعرہ کے اشتہارات شائع ہوتے۔ بطور تعاون شہر کی بعض نمائندہ شخصیتوں کے نام خصوصی دعوت نامے روانہ کئے جاتے انہیں شعراء کے ساتھ عشائیہ میں مدعو کیا جاتا۔ خصوصی مہمان بھی شہ نشین پر آجاتے کافی غور و خوض کے بعد میزبان شعراء کی فہرست تیار ہوتی مشاعرہ سے ایک دو دن پہلے میزبان شعراء کے نام شائع کئے جاتے۔ مجھ سے

مشاعرہ کا اشتہار بنانے کے لئے فرماتے ۔ ضروری ترمیم کے بعد اشتہار شائع ہوتا۔ بعض دفعہ خود اشتہار بناتے۔ ہر روز ایک نئے انداز سے اشتہار بنایا جاتا تاکہ مشاعرہ کے شوقین حضرات و خواتین الفاظ کی جادوگری سے متاثر ہوکر زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں۔ اگر مشاعروں کی نیوز دیگر اخبارات کے علاوہ جاری کرنا ہو تو فرماتے کہ بھارت نیوز (اعجاز قریشی صاحب) یا دکن نیوز (مرزا ذبیح اللہ بیگ صاحب) کو فون پر لکھوا دو۔ مشاعرہ کے دن ۲۰ سے دفعہ مشاعرہ گاہ جاتے اور انتظامات کا جائزہ لیتے۔ ضروری مشوروں سے نوازتے۔ عابد علی خاں صاحب بھی ساتھ ہوتے۔ مجھے بھی اپنے ساتھ رکھتے۔ دلیپ کمار کو ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ میں مدعو کرنے کی تجویز ہو تو خان لطیف خان کو یاد کرتے تھے۔

ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے ابتداء سے ہی نمائش میدان میں ہوتے رہے۔ لیکن گزشتہ چند برسوں سے پرانے شہر میں (قلی قطب شاہ اسٹیڈیم) منعقد کئے جا رہے ہیں۔ جناب رمنا چاری آئی اے ایس اڈمنسٹریٹر قلی قطب شاہ اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی شخصی دلچسپی سے اسٹیڈیم تیار ہوا۔ اسٹیڈیم کے افتتاح کے موقع پر رمنا چاری صاحب نے عظیم الشان پیمانے پر مشاعرہ منعقد کیا تھا۔ جناب عابد علی خاں نے صدارت کی تھی۔ ناظم مشاعرہ میں تھا۔ اردو ہندی کے ۵۰ شاعروں نے کلام سنایا اور انہیں شال اوڑھا کر کیسہ زر سے نوازا گیا۔ اس سرکاری مشاعرہ میں، میں نے مسٹر رمنا چاری سے اصرار کر

اپنی دوستی کی بنیاد پر نئے پرانے شہر کے نمائندہ شاعروں کو مدعو کیا تھا۔ جس میں خاص طور پر پرانے شہر کے تقریباً تمام اساتذۂ سخن نے کلام سنایا تھا۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں پرانے شہر کے مشاعرہ کے شائقین کی یہ خواہش تھی کہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے قلی قطب شاہ اسٹیڈیم میں ہوا کریں کیونکہ مشاعروں میں ۹۰٪ سامعین پرانے شہر کے شرکت کرتے ہیں۔ مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں مسٹر رمنا چاری کافی دلچسپی لیتے تھے۔ وہ خود بھی اسٹیڈیم پہونچ کر بہ نفسِ نفیس انتظامات کا جائزہ لیتے تھے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ رمنا چاری صاحب سیاست آجاتے اور عابد علی خاں صاحب کے ساتھ اسٹیڈیم جاتے۔ میں کبھی ساتھ رہتا۔ رمنا چاری صاحب کبھی راست مقررہ وقت پر خود آجاتے۔ مہمان شعراء کو ریسیو کرنے کے لئے مجھے لازماً بھیجتے۔ ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ خواجہ معین الدین صاحب، ظہیر الدین علی خاں صاحب کے علاوہ محی الدین جیلانی، سریندر جی اور کے۔ ایس۔ ریڈی (شنکر جی میموریل سوسائٹی) بھی ریلوے اسٹیشن آجاتے۔ پرشاد صاحب کو ایرپورٹ بھیج دیا جاتا۔ ظہیر الدین علی خاں صاحب بھی ساتھ رہتے۔ ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی مشاعرہ میں مدعو شاعروں سے یہ کہہ دیا جاتا کہ نشہ کی حالت میں مشاعرہ میں شرکت نہ کریں۔ چنانچہ اس کی پابندی کی جاتی۔ جگر صاحب نواب میر احمد علی خاں صاحب کی محب الوطنی

اور ان کی اُردو دوستی کو محسوس کرتے تھے۔ مسنر ایم۔ ٹی۔ خان صاحب جواد رضوی کے مضامین بھی سیاست کی خصوصی اشاعت میں شامل ہوتے تھے۔ ایم۔ خان صاحب ایم۔ پی۔ کی سیاسی، ادبی و تہذیبی خبریں سیاست میں شائع ہوتیں۔ حیدرآباد میں اُردو کی بقاء، ترقی و ترویج کے لیئے ڈاکٹر زور اور مولوی حبیب الرحمٰن کی غیر معمولی خدمات کو خراج پیش کرتے تھے۔ ادارۂ ادبیات اُردو اور انجمن ترقی اُردو کی سالانہ تقاریب کی خبروں اور روئیدادوں کے لئے سیاست کے صفحات ہمیشہ کھلے رہے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد کی صلاحیتوں کے نہ صرف معترف تھے بلکہ اُردو تحریک سے متعلق اُن کی سرگرمیوں کو سراہتے تھے۔ سرینواس لاہوٹی کی والہانہ وابستگی کا کبھی سنجیدگی سے اور کبھی مزاحیہ انداز میں تذکرہ کرتے تھے۔ مولانا عاقل حسامی اور مولانا غوث خاموشی کی ملی و مذہبی خدمات کو یاد رکھتے تھے۔ امتیاز علی تاج اور اسلم فرشوری کی صلاحیتوں کے معترف تھے

اگر وقف بورڈ سے متعلق کوئی مسئلہ درپیش ہو تو فرماتے کہ قاضی انجم عارفی صاحب سے بات کرو اور کہو کہ مجھ سے مل لیں۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید ترو پتی سے جب بھی حیدرآباد آتے تو عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے ملنے کے لئے سیاست آجاتے۔ انہیں تبصرہ کے لئے کتابیں دی جاتیں۔ مجھ سے فرماتے ڈاکٹر صاحب اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے تبصروں میں توازن ہوتا ہے۔

صالحہ الطاف کی ادارت میں شائع ہوتے والے ادبی رسالہ

"خاتونِ دکن" کو سراہتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتے کہ صالحہ الطاف روزنامہ میزان کے ایڈیٹر حبیب اللہ اوج (پاکستان) کی بھتیجی ہیں۔ محفلِ خواتین سے وابستہ شاعرہ مظفر النساء نازؔ کی غزلوں کی اشاعت سے دلچسپی رکھتے تھے۔ جب کبھی مظفر النساء نازؔ غزل لے کر سیاست آجاتیں تو کہتے ضرور شائع ہوگی اور مجھ سے فرماتے اس ہفتہ کی اشاعت میں شریک کرلو۔ حیدرآباد کے ہر اچھے لکھنے والے، باصلاحیت اصحاب اور خاص طور پر نوجوانوں پر ان کی نظر رہتی تھی جن میں سے ایک عابد صدیقی بھی ہیں۔ ممتاز میوزک ڈائرکٹر خواجہ بہاء الدین کے پروگرامس ساز بہار ان کی نیوز اور روئیداد نمایاں طور پر شائع فرماتے۔ غیر اردو داں (غیر اردو مادری زبان والے) گلوکار اردو کلام ساز پر پیش کرتے تو ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ نامور گلوکار مسٹر وٹھل راؤ کے فن کے قدرداں تھے۔ عزیز احمد خاں وارثی کی طرح وٹھل راؤ کی بین الاقوامی شہرت سے خوش ہوتے تھے۔ شکیلہ بانو کے بہت سے میوزیکل پروگرامس حیدرآباد میں ہوتے رہے۔ جگر صاحب شکیلہ بانو کے پروگرامس کی پبلسٹی میں شخصی دلچسپی لیتے تھے۔ شکیلہ بانو کا ایک میوزیکل پروگرام جو نمائش میدان میں ہوا تھا۔ اُس موقع پر مخدوم محی الدین صاحب نے یہ شعر کہا تھا ؎

شہر میں دھوم ہے اک شعلہ نوا کی مخدوم
تذکرے رستوں میں، چرچے ہیں پری خانوں میں

کوئی نزاعی ادبی خبر اشاعت کے لئے آجاتی تو مجھ سے فرماتے کہ خبر پڑھو

پھر تحقیقات کے بعد مجھے بتاؤ کہ یہ خبر شائع ہونی چاہیئے کہ نہیں ۔
ادبی ایڈیشن میں شائع ہونے والی نظم، غزل اور تبصروں کے لئے سیاست سے معاوضہ دیا جاتا ہے ۔ جگر صاحب اشاعت کے دوسرے دن منیجر سیاست کے نام معاوضہ روانہ کرنے کے لئے حکم نامہ بھیجتے ۔ اگر احیاناً کسی تخلیق نگار کو معاوضہ نہ ملا ہو تو مجھ سے فرماتے یہ آپ کی ذمہ داری ہے، دیکھیں کہ معاوضہ ملا کہ نہیں ۔ بعض دفعہ میں خود نوٹ پیش کرتا ۔ منظوری کے بعد آفس کے ذریعہ معاوضہ کی رقم ایصال کی جاتی ۔ گلبرگہ کے شاعر وقار ریاض کی غزل جب پہلی دفعہ اشاعت کے لئے سیاست آئی تو فرمایا کہ یہ بہت اچھا شاعر ہے یہ کون ہے ؟ میں نے کہا وقار ریاض، علی الدین نوید کا چھوٹا بھائی ہے اور میرا بھانجہ ۔ فرمایا یہ شاعر ترقی کرے گا ۔ اضلاع کے شاعروں کے کلام کی قرائت و سماعت کے موقع پر بعض اشعار پر پھڑک جاتے اور کہتے اضلاع کے اچھے شاعروں کا کلام بھی سیاست میں زیادہ سے زیادہ چھپنا چاہیئے ۔ اضلاع کے شاعروں سلیم عابدی، جلال عارف، جمیل نظام آبادی، محب کوثر، علیم پرواز، ماہر کاغذ نگری وغیرہ کا کلام انہیں پسند آتا تھا ۔ عبدالرحیم آرزو، عبدالعزیز عزیز، جلال عارف، سلیم عابدی، جمیل نظام آبادی، سیاست آتے تو ان کے ضلعوں میں جاری شعر و ادب کی سرگرمیوں سے متعلق معلومات حاصل کرتے ۔ جمیل نظام آبادی کی خواہش پر ہر سال حیدر آباد میں منعقد ہونے والے اضلاع کے

شاعروں کے مشاعرہ کے لئے ادبی ٹرسٹ اور سیاست سے رقمی امداد کی جاتی ہے ۔ یہ سلسلہ گزشتہ تین برسوں سے جاری ہے ۔

سلیمان خطیب کی دختر ڈاکٹر شمیم ثریا کی روانہ کردہ خبریں یہ پابندی شائع ہوتیں ۔ اس طرح گلبرگہ سے ڈاکٹر طیب انصاری ، ڈاکٹر جلیل تنویر ، ڈاکٹر لئیق صلاح ، ڈاکٹر رفیعہ قادری کی روانہ کردہ خبریں جو ادبی سرگرمیوں سے متعلق ہوتیں شائع کی جاتیں ۔ اورنگ آباد کے قاضی سلیم اور بشر نواز سیاست آتے تو پورے خلوص کے ساتھ ان کی پذیرائی کی جاتی ۔ سیاست میں اشاعت کے لئے ان سے کلام حاصل کیا جاتا ۔ مرزا شکور بیگ سے اچھے خاصے مراسم تھے ۔ ان کا مزاحیہ کلام سیاست میں شائع کیا جاتا رہا ۔ منظور احمد منظور کی حرکیاتی شخصیت کو اردو مجلس کی سرگرمیوں کے حوالے سے اہمیت دیتے ۔

سیاست کے سینئر اسٹینڈر میں یسین صاحب اپنی وفاداری اور اپنی وابستگی کو نبھانے والے انسان ہیں ۔ ان پر بھروسہ کرتے تھے سیاست کے وفاداروں میں محمد علی کی وفاداری مثالی سمجھی جاتی ہے جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب دونوں محمد علی کی وفاداری کی ستائش کرتے تھے ۔ حمید آرموری اور اقبال جہاں قدیر کی تحریریں بھی پسند تھیں

ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کی ابتدائی کارروائی کے لئے مجھے حکم دیتے ۔ مشاعرہ کے دن صبح پروگرام بنتا کہ کس طرح مشاعرہ کی کارروائی کا آغاز ہو ۔ فرماتے مسودہ پیش ہو ۔ مسودہ میں ضروری ترمیم کے بعد

پروگرام فائینل ہوجاتا۔ شعراء کی فہرست ناظم مشاعرہ کے حوالہ کی جاتی۔ میزبانِ اوّل کی حیثیت سے مشاعرہ کا آغاز میری غزل سے ہوتا۔ جگر صاحب، عابد علی خاں صاحب کو ہمیشہ نواب کہہ کر مخاطب کرتے اور عابد علی خاں صاحب جگر صاحب کو کبھی جگر اور کبھی جگر صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ دوستانہ ماحول ہوتو جگر کہتے اور سنجیدہ ماحول ہوتو جگر صاحب کہتے۔ عابد علی خاں صاحب، جگر صاحب کا اپنے بڑے بھائی کی طرح عزت و احترام کرتے تھے۔ جگر صاحب کا ایک لفظ بھی رد نہیں کیا جاتا تھا۔ اخبار سیاست کا مکمل ایڈمنسٹریشن جگر صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ عابد علی خاں صاحب یہ محسوس کرتے تھے کہ جگر صاحب کا ہر لفظ ان کا اپنا لفظ ہے۔ جگر صاحب نے عابد علی خاں صاحب کے افرادِ خاندان کی ترقی و بہتری کے لئے بہت کچھ کیا۔ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ میں نے بیسیوں شاعروں، ادیبوں کی جگر صاحب کے تعاون سے مدد کی۔ بہت سے شاعروں کا جگر صاحب سے تعارف کروایا۔ اوج یعقوبی صاحب، جیسے بلند مرتبت شاعر سے جگر صاحب واقف نہیں تھے، اُن سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شاہد صدیقی صاحب زائد از ۲۵ سال پہلے سے ہی سیاست میں شیشہ و تیشہ کا کالم لکھتے رہے۔ اس کالم میں شاعرِ سیاست کے نام سے شاہد صاحب کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری شائع ہوتی تھی۔ جب شاہد صاحب مشاعرہ میں شرکت کیلئے کشمیر گئے تھے تو ان کی غیر موجودگی میں اوج یعقوبی صاحب

نے شاعرِ سیاست کے نام سے ایک نظم لکھی یہ نظم جگر صاحب کو پسند آئی اور سیاست میں شائع ہوئی۔ مجھ سے جگر صاحب نے دریافت کیا یہ اوج یعقوبی کون ہیں۔ میں نے اُن کے بارے میں بتلایا اور پھر ان سے تعارف ہوا۔ شاہد صدیقی صاحب کے انتقال کے بعد ہر اتوار کو اوج یعقوبی صاحب کی شاعری شیشہ و تیشہ کے کالم میں شائع ہونے لگی۔

بعض جدید شاعروں (جدیدیوں) کی غزلیں / نظمیں بھی شائع کرتے۔ کلام کی قرأت و سماعت کے دوران جگر صاحب فرماتے، اس نظم کا مطلب کیا ہے، میری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ تمہاری سمجھ میں آیا ہے تو بتاؤ۔ پھر کہتے یہ بھی ایک مکتبۂ خیال ہے۔ کبھی کبھی ایسی نظمیں بھی شائع ہونی چاہیے۔ جس سے قارئین کو اندازہ ہو کہ ایسی شاعری بھی ہو رہی ہے۔ بنیادی طور پر جدیدیت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا ادبی ذوق ترقی پسند ادب سے وابستہ تھا۔ کلاسیکی شعر و ادب سے مستفید ہوتے تھے۔ اثر غوری کے بارے میں یہ رائے تھی کہ نئی لفظیات کے جدید شاعر ہیں۔ بامعنی شعر کہتے ہیں۔ خواجہ شوق کو اُستاد شاعر مانتے تھے۔ ڈاکٹر محمد علی اثر کو دکنیات کا محقق تو حسن داد خاں کو کلاسیکی شاعر کی حیثیت سے، حمید رونق کی ماہرِ عروض کی حیثیت سے، رؤف خیر، محسن جلگانوی اور مسعود جعفری کی جدید لب و لہجہ کے شاعر کی حیثیت سے قدر کرتے تھے۔ امجد باغی کی فلاحی خدمات اور ملک محمد علی خاں کی سماجی خدمات کو سراہتے تھے۔ سیدہ مہر ڈاکٹر ریحانہ سلطانہ کی تحریروں کو بھی پذیرائی حاصل ہوتی۔

پروفیسر عسکری کو ایک فلسفی کی حیثیت سے تو پروفیسر نقی ایک سلجھا ہوا دانشور سمجھتے تھے۔ یعقوب میراں کی لغت کی تدوین کے بارے میں بھی واقفیت رکھتے تھے۔ شاکرہ بیگم، ناصرہ بیگم اور اقبال جہاں قدیر کی تحریریں بھی بہ غائر ملاحظہ کے بعد شائع کرتے تھے ابوالفیض سحر جب کبھی دلی سے حیدرآباد آتے تو دفتر سیاست آتے جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب سے ملاقات کرتے اور مجھ سے بھی ضرور ملتے۔ جگر صاحب خوش ہوتے ہوئے کہتے تھے کہ حیدرآباد کے ایک نوجوان نے دلی میں ایک ممتاز مقام بنالیا ہے۔ بنگلور سے شائع ہونے والے روزنامہ سالار سے وابستہ ایک ممتاز صحافی سابق جائنٹ ڈائرکٹر اردو اکیڈیمی جناب غضنفر علی بھی سیاست سے وابستہ رہے ہیں۔ جو ایک بہترین مترجم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ بیدر کے ممتاز صحافی محسن کمال ایم۔ ایل سی۔ اور نامور لیڈر جناب قیصر رحمن کرسپانڈنٹ سیاست کی طرح مجاز رائچوری اور ان کے بھتیجے قیصر رزاق ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ادبی سرگرمیوں کو بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے مصطفےٰ شروانی صاحب کے سیاست میں مختلف موضوعات پر مراسلے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی ڈائری میں بہت سے شعراء کا کلام محفوظ ہے۔ "آپ کا کالم" کے لئے بعض سوالات کے جوابات لکھ بھیجے ہیں۔ جگر صاحب فرماتے مصطفےٰ شروانی کے پاس بھی ہر مترجم کی طرح معلومات کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ آغا حیدر حسن اور رائے محبوب نارائن

کی تحریریں جو بول چال کے انداز کی ہوا کرتی تھیں، خصوصیت کے ساتھ شائع فرماتے تھے۔ ڈاکٹر یوسف کمال، ڈاکٹر وہاب قیصر، برہان حسین اور یوسف مڑکی کے سائنسی مضامین کی اشاعت سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ممتاز آرٹسٹ سعادت حسین سے سیاست کی مطبوعات کے بارے میں ٹائٹل ڈیزائن کے لئے خدمات حاصل کرتے۔ سیاست کے خصوصی کالمس کے لئے بھی ان کی فنی خدمات حاصل کی جاتیں۔

ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے سلسلے میں جناب علی صدیقی (اُردو عالمی کانفرنس) کی جانب سے بھیجے ہوئے شاعروں کی بھی پذیرائی کرتے تھے۔ ستار صاحب ریٹائرڈ سیشن جج سے مذہبی امور (طلاق خلع) پر مضامین کے بارے میں مشورہ کرتے اور اُن سے مضامین لکھواتے

پولیس ایکشن (۱۹۴۸ء) کے بعد حیدرآباد دلوں میں محبت، خلوص کا ماحول بنائے رکھنے کے لئے جسٹس گوپال راؤ ایکبوٹے، ایل۔ این۔ گپتا رائے جانکی پرشاد اور دیگر غیر مسلم روشن خیال اصحاب سے تعاون حاصل کرتے رہے۔ آندھرا کے علاقے کے وزراء میں گوپال ریڈی کی اُردو دوستی سے متاثر تھے۔ تلنگانہ کے وزرائے اعلیٰ، بی۔ رام کشن راؤ ڈاکٹر۔ ایم۔ چنا ریڈی، ٹی۔ انجیا اور آندھرا کے چیف منسٹر سنجیوا ریڈی اور کا لیشور راؤ + وزرا اسپیکر اسمبلی کی لسانی پالیسی کو پسند کرتے تھے۔ تلنگانہ کے مسلم وزراء میں نواب میر احمد علی خان اور جناب آصف پاشا کی طرح ابراہیم علی انصاری (محبوب نگر) کو بھی ایک شریف النفس انسان

کی حیثیت سے یاد کرتے تھے۔ سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدیداروں میں رائے
کنج بہاری لعل، بھارت چند کھنہ، ہاشم علی اختر، غلام احمد، غلام
دستگیر قریشی، ڈاکٹر حسن الدین احمد، نریندر لوتھر، مبشر احمد، تراب الحسن،
اور رشید قریشی کا اچھے انداز میں تذکرہ فرماتے تھے۔

سیاست کے کاتبین میں محمود سلیم، مسعود انور، آصف حسین اور
انور مسعود اور محمد افضل کی رنگی سے مطمئن تھے۔ سلیمان عابد (فیچر رائٹر) کا
شمار بھی قابل ذکر معاونین میں کرتے تھے۔ انتظامیہ کے شعبہ میں
محی الدین صاحب اور جبار صاحب بھی کارکرد لوگوں میں گنے جاتے
ہیں۔ اگر حیدرآباد کے کسی شاعر، ادیب یا صحافی کا انتقال ہوتا تو
ادبی ٹرسٹ سے ان کی تجہیز و تکفین کے لئے امداد دی جاتی۔ اگر
وہ بیمار ہوں تو طبی اعانت کی جاتی۔ بعض دفعہ جگر صاحب خود
مرحوم کے گھر پہونچ کر ان کے افراد خاندان کو پرسہ دیتے اور
تجہیز و تکفین کے لئے امدادی رقم کا لفافہ حوالے کرتے۔ کبھی میرے
ذریعہ سے رقم روانہ کی جاتی۔ لیکن کبھی ہوتا کہ کوئی ایک ذمہ دار
صاحب تدفین سے پہلے ہی رقم لے جاتے۔

جگر صاحب اپنی علالت کے زمانے میں مجھ سے فرماتے کہ شعر
و شاعری کا عالم زاہد صاحب کو بتلایا کرو۔ ماہنامہ "خوشبو کا سفر"
کی اشاعت کی پہلی خبر جگر صاحب کے حوالے کی گئی تو خبر دیکھ کر کہنے
لگے۔ پرچہ کس طرح نکالو گے کیونکہ اصل مسئلہ مالیہ کا ہے میں نے

کہا آپ کی دعا رہی تو یہ پرچہ جاری رہے گا۔ مالیہ بھی مستحکم ہو جائے گا۔ (الحمد للہ "خوشبو کا سفر" جاری ہے) اس رسالے کے لئے خاص طور پر سعید بھائی (الفلاح اسحق جویلرز) شاداں ایجوکیشنل سوسائٹی اور امبا کنسٹرکشن کمپنی (ڈاکٹر سرلش شکلا) کا تعاون حاصل ہے۔ جگر صاحب کو جب کبھی کسی ادبی اجلاس یا کسی ادبی مقام پہ جانا ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ لے جاتے۔ موٹر میں اپنے بازو بٹھاتے۔ راستہ میں سیاست اور ادبی سرگرمیوں سے متعلق گفتگو رہتی۔ مجھ کو خبروں کے ترجمہ کے لئے بھی کہا کرتے اور یہ کہتے کہ ہر روز گھر جاتے ہوئے آفس سے دکن کرانیکل لے جاؤ۔ جگر صاحب سے آخری ملاقات میڈی سٹی اسپتال میں ہوئی جہاں وہ زیر علاج تھے۔ رئیس اختر میرے ہمراہ تھے۔ اٹنڈر یادی نے کہا کہ جگر صاحب آرام کر رہے ہیں، میں نے کہا ٹھیک ہے صرف یہ کہہ دو میں اور رئیس اختر آئے تھے۔ میں یادی سے بات کر ہی رہا تھا کہ جگر صاحب نے میری آواز سن کر یادی سے کہا نیّر صاحب کو بلاؤ۔ تقریباً ۱۰-۱۲ منٹ تک ہم سے گفتگو کرتے رہے۔ (حالانکہ ڈاکٹروں نے انہیں دیر تک گفتگو کرنے کے لئے منع کیا تھا) جب ہم دونوں کمرے سے باہر نکلے تو زاہد علی خاں صاحب، ظہیر الدین علی خاں صاحب اور مجتبیٰ حسین دکھائی دیئے۔ جس دن جگر صاحب کا انتقال ہوا میں ۱/۲ ۱ بجے تک سیاست آفس میں موجود تھا۔ مجتبیٰ حسین صاحب بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور دلی واپسی کے ٹکٹ اور ریزرویشن کے بارے میں سیاست کے منیجر شجاعت صاحب سے بات کر رہے تھے۔

شجاعت صاحب، پروفیسر نثار احمد فاروقی کے مضامین کی زیراکس کا پورا
کی فائینل بھی ان کے حوالے کر چکے تھے۔ اسی دوران جناب مصطفےٰ اکاونٹ
روم میں آئے اور کہا کہ جگر صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ یہ سنتے ہی
مجتبیٰ حسین نے دلی جانے کا ارادہ بدل دیا۔ میں سیاست سے اپنے گھر
چلا گیا۔ ۵ بجے کے قریب شجاعت صاحب نے فون پر بتلایا کہ جگر صاحب
کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی زمین پاؤں سے سرک گئی۔ سیدھے
عابد منزل پہونچا۔ میت لائی گئی تھی۔ انتہائی کرب کے عالم میں باچشم نم
جگر صاحب کا دیدار کیا۔ جگر صاحب کی زندگی کا طویل سفر ختم ہوگیا۔
جگر صاحب کی شخصیت ہی کچھ ایسی تھی کہ معاشرہ کا ہر مستحق شخص اُن سے
فیض پاتا رہا ـــ جگر صاحب زندگی کے آخری لمحوں تک لوگوں کو فیض پہونچاتے رہے۔

ڈاکٹر نرہری اور رحیم صاحب بھی سیاست اخبار سے وابستہ ہیں۔
ڈاکٹر نرہری تلگو خبروں کا اُردو میں ترجمہ کیا کرتے ہیں۔ رحیم صاحب کا شمار
اسپورٹس کے شعبے کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ مولانا اکبر نظام الدین کی تحریریں پسند تھیں
رحمٰن جامی اور فیض الحسن خیال کا کلام بھی سیاست میں شائع
کیا کرتے تھے۔ ساقی الوبی جیسے کم آمیز شاعروں کے کلام کی اشاعت
سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ نوجوان شاعروں میں فاروق عارفی جیسے شاعر
کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے توجہ دلاتے تھے۔ امباجی راؤ شاد ہوں کہ
پرشوتم پرشانت، دولی چند ششی ہوں کہ شنتی نارائن سوادھین کے
کلام کی اشاعت سیاست میں ہوا کرتی تھی۔ اور فرماتے نہپال سنگھ ورما

کیونکہ ہندی شاعروں کا کلام سیاست کے لئے روانہ کرتے رہیں ۔ ہندی شاعروں، ادیبوں کے سلسلے میں مسٹر درما سے تعاون حاصل کیا کرتے۔ بعض بیرون ریاست کے ہندی شاعر سیاست آتے تو ان سے سیاست کے لئے کلام حاصل فرماتے اور ان کی کویتائیں خصوصیت کے ساتھ شائع ہوتیں۔ شعراء کے مجموعہ کلام کی رسم اجراء کے موقع پر ان کی غزلیں شائع فرماتے۔ ان کی شاعری پر مضامین شائع ہوتے ۔ نئے، پرانے شاعروں کے مجموعوں کے لئے دیباچے بھی لکھا کرتے تھے۔ سیاست میں کلام کی اشاعت کے سلسلے میں معیار کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ بعض شعراء کا کلام شائع تو نہیں ہوتا تھا لیکن اُنہیں معاوضہ دیا جاتا ۔ شعراء سے بہتر سے بہتر کلام کی توقع رکھتے تھے ۔ بعض شاعر مجھ سے پوچھتے معاوضہ مل گیا ہے، کلام چھپا نہیں۔ حوصلہ افزائی کے لئے بھی کلام شائع نہ کرنے کے باوجود بھی معاوضہ دیا جاتا۔ حیدرآباد میں ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی مشاعروں کے لئے آئے ہوئے شعراء اپنا کلام سیاست میں اشاعت کے لئے دیتے ہیں۔ لیکن بعض شعراء کا کلام شائع نہیں ہوتا تھا ۔ ان دو بڑے مشاعروں میں شرکت کرنے والے شاعروں کے نام، مشاعروں کی روئیداد سے متعلق اخبار روانہ فرماتے ۔ بعض شاعروں، ادیبوں کے نام اتوار پیپر (ادبی ایڈیشن) کے اخبارات اعزازی طور پر روانہ کئے جاتے ہیں ۔ سکندرآباد کے شاعروں میں شاغل ادیب اور یوسف یکتا کا کلام بھی شائع فرماتے ۔ اردو کے کم آمیز شاعروں کی بھی قدر افزائی کرتے تھے۔

بعض ایسے لوگ جن کو دیکھتے ہی جگر صاحب کے چہرہ پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوتے تھے ویسے لوگ بعض محفلوں میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ مرحوم سے اُن سے دیرینہ تعلقات و مراسم تھے۔ جگر صاحب شخصیتوں کی پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کے معاملے میں اپنا ایک خاص انداز رکھتے تھے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ بعض لوگ شہر کی اچھی خاصی ادبی فضاء کو مکدّر کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف دیکھنا بھی انہیں گوارا نہیں تھا۔ ڈاکٹر محمد علی اثر، علی ظہیر، حسن داد خاں کا کلام بھی پسند تھا۔

بہترین اشعار کے انتخاب کے سلسلے میں حیدرآباد کی تقریباً تمام نمائندہ شخصیتوں کو جنہیں اُردو شعر و ادب سے دلچسپی ہے، مجلس کی حیثیت سے مدعو کیا کرتے تھے۔ جن میں تلگو اور ہندی کے نامور شاعر ادیب بھی شامل رہے۔ محمد قلی قطب شاہ سے دورِ حاضر کے شعراء تک جب تعارفی مضامین کا سلسلہ شروع ہوا تو مجھے یہ ہدایت فرماتے کہ خاص طور پر پرانے شہر کے اساتذۂ سخن اور باصلاحیت نوجوان شاعروں سے رابطہ رکھوں۔ چنانچہ یہ تعارفی سلسلہ نہایت عمدگی کے ساتھ ۲۰۰ برسوں تک جاری رہا۔ اُس دور کے تمام نوجوان باصلاحیت اہلِ قلم (شاعر و ادیب) حضرات نے ادب میں اپنا ایک مقام بنا لیا ہے۔ جگر صاحب یہ یک نظر اندازہ لگاتے تھے کہ یہ تحریر شائع ہونے کے قابل ہے کہ نہیں۔ شاعری کے بارے میں بھی اُن کا یہی انداز رہتا۔ انکی نظریں نئے لکھنے والوں کی تلاش میں رہتیں۔ سیاست میں ادبی ریکارڈ آسی حد تک

کسی شکل میں موجود ہے کہ کوئی بھی شخص ادبی معلومات کی حصولی کے سلسلے میں نا امید نہیں ہوسکتا۔ محسن علی (محبوب نگر) صابر کاغذنگری کو بھی چاہتے تھے سیاست کے جونیئر کاتبین میں فہیم الدین، خیراللہ بیگ اور جعفر علی بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے۔

● بانی و صدر محفل خواتین ممتاز شاعرہ عظمت عبدالقیوم کی سرپرستی نگرانی میں ۲ سنہ ۱۹۷ء میں نمائش کلب میں شاندار پیمانے پر محفل خواتین کی جانب سے غزلوں کی رات کے زیر عنوان محفل شعر و نغمہ کا انعقاد عمل میں آیا تھا جسکی کنونیر محترمہ انجم قمر سونے تھیں۔ اس محفل میں مدعو سامعین نے شرکت کی تھی۔ شہر کی نمائندہ شخصیتوں کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ پروگرام کی نوعیت کچھ اسطرح تھی کہ محفل خواتین سے وابستہ کوئی ایک شاعرہ اپنا کلام تحت میں سناتی اور وہی کلام ممتاز گلوکار ساز پر پیش کرتے۔ ایسی خوشگوار محفلیں بہت کم ہوا کرتی ہیں۔ اس محفل شعر و نغمہ کی تشہیر کے لئے جگر صاحب نے غیر معمولی دلچسپی لی تھی۔ مسلسل خبروں کے علاوہ اشتہارات بھی شائع ہوتے رہے۔ نمائش کلب، شعر و نغمہ سے دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس محفل سے کچھ فاصلہ پر مین گیٹ کے قریب عابد علی خان صاحب، جگر صاحب، اشفاق حسین صاحب اور میر حسن علی تشریف فرما تھے۔ نہایت بے تکلفانہ ماحول تھا۔ میں اس تقریب میں سربراہ کی حیثیت سے مہمانوں کا خیر مقدم کرتا رہا۔ اسی اثناء میں حیدرآباد کی ایک خوبصورت شاعرہ اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ آئیں۔ جیسے ہی ان کو اشفاق صاحب نے دیکھا برجستہ کہا "پہونچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا" اشفاق صاحب کا یہ جملہ مجھے اچھا نہیں لگا، میں نے خفگی کے عالم میں جگر صاحب سے کہا آپ اشفاق صاحب سے کہدیں کہ اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ محفل خراب ہو جائے گی۔ جگر صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا اشفاق صاحب کی باتوں کا کچھ

خیال مت کرو - اِن کا مزاج ہی ایسا ہے۔ وہ پھلجھڑیاں چھوڑتے رہتے ہیں
پھر میں اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

یہ چاروں نامور شخصیتیں پروگرام کے اختتام تک موجود رہیں۔

سب کہاں کچھ — لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

جگرؔ صاحب ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں ہمیشہ توازن کا خیال رکھتے تھے۔ ابتدائی مشاعروں میں مہمان شعراء ۴، ۶ ہوا کرتے تھے — اور میزبان شعرا ۱۸، ۲۰ لیکن رفتہ رفتہ مہمان شعراء کی تعداد بڑھتی گئی اور میزبان شعراء کی تعداد گھٹتی گئی۔ جگرؔ صاحب مشاعرہ کی موزونیت کے لحاظ سے شعراء کا انتخاب فرمایا کرتے تھے۔ مہمان و میزبان شعراء کی تعداد ۲۴، ۲۵ رہتی ہے۔ نصف تعداد مہمان شعراء کی اور نصف تعداد میزبان شعراء کی۔ مشاعرہ ۱½ تا ۲ بجے شب تک جاری رہتا - ایک ہی دور پر مشاعرہ ختم ہوتا۔ جگرؔ صاحب کا یہ خیال تھا کہ مشاعرہ دیر تک جاری رکھنے سے سامعین کو واپسی کے وقت تکلیف ہوگی۔ خاص طور پر خواتین کا زیادہ خیال رکھا جاتا۔ ادبی ٹرسٹ کا مشاعرہ ہو کہ سنکرجی کا مشاعرہ کبھی انتشار کا شکار نہیں ہوا۔ اخبارات میں انہیں شعراء کا نام دیا جاتا جنکی شرکت قطعی ہوتی ہمیں جگرؔ صاحب سے ابھی بہت کچھ روشنی حاصل کرنا باقی تھا لیکن وہ یہ کہتے ہوئے خاموش ہوگئے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

★

ایک جان دو قالب

(جناب محبوب حسین جگرؔ اور جناب عابد علی خان)

ہر ایک رُت میں جو ملتا تھا مہرباں کی طرح
ہوائیں لے اڑیں اُسکو بھی بادباں کی طرح

بلندیاں اُتر آتی تھیں جس کے آنگن میں
زمیں پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

اچانک آپ کا محفل سے اس طرح جانا
کبھی یقیں کی طرح تھا کبھی گماں کی طرح

ہمیں تو کوئی نہ مطلب تھا دھوپ چھاؤں سے
ہمیشہ رہتا تھا اک شخص سائباں کی طرح

تلاش کرتی ہے اب اُسکو آبلہ پائی
جو شخص کل تھا یہاں میرِ کارواں کی طرح

مسافرانِ شبِ غم کی بہتری کے لئے
تمام رات وہ رہتا تھا کہکشاں کی طرح

وہیں پہ رُکتے تھے نیرؔ تھکے تھکے سے قدم
کہ اُس کا در تھا فقیروں کے آستاں کی طرح

خراجِ عقیدت

• روزنامہ سیاست • ہاشم سعید • سیّد ہاشم علی اختر
• ادارہ میرا شہر میرے لوگ

▬ ادارۂ سیاست انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ خبر جاری کر رہا ہے کہ روزنامہ سیاست کے اہم معمار اور سرکردہ صحافی و ادیب جناب محبوب حسین جگر کا آج سہ پہر انتقال ہوگیا۔ عارضۂ قلب کے باعث انہیں میڈی سٹی ہسپتال میں شریک کیا گیا تھا۔ جہاں وہ رات تک بھی انتہائی چاق و چوبند اور ہشاش بشاش تھے۔ کام کرنے کے جذبہ اور لگن کا یہ عالم تھا کہ نقاہت اور کمزوری کے باوجود کل انہوں نے اخبار سیاست کیلئے اپنا آخری اداریہ ریاست کی ایک ایسی بزرگ اور صاحب علم شخصیت ڈاکٹر بجواڑہ گوپال ریڈی کے انتقال پر تحریر کیا تھا۔ جنہوں نے ریاست میں اردو کے فروغ میں نمایاں حصّہ ادا کیا تھا۔ جگر صاحب کے انتقال کے وقت ان کے رفیق دیرینہ جناب عابد علی خاں مرحوم بانی و ایڈیٹر کے فرزندان جناب زاہد علی خاں ایڈیٹر سیاست، ڈاکٹر شاہد علی خاں، جناب ظہیر علی خاں کے علاوہ جناب عامر علی خاں و نیز جگر صاحب کے چھوٹے بھائی ممتاز مزاح نگار جناب مجتبیٰ حسین موجود تھے۔ جو علالت کی اطلاع ملتے ہی بہت پہلے دہلی سے حیدرآباد پہونچ گئے تھے۔ جگر صاحب کی طبیعت

آج صبح اچانک بگڑ گئی۔ جب انہیں پینٹنگ روم سے انٹینسیو کیر یونٹ میں لے جایا جارہا تھا تو وہ اس وقت بھی بات کر رہے تھے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کا ہاتھ تھامے ہوئے ان سے یہ کہہ رہے تھے کہ "اب زندگی سے ان کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے" اس کے ساتھ ہی انہوں نے نرسس سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب ان کے پاس سے آکسیجن اور تمام آلات ہٹا لئے جائیں پھر وہ دعا کرنے لگے کہ اللہ مجھے نجات دیدے اور مجھے عذاب سے بچا" یہ ان کے آخری کلمات تھے جس کے بعد اردو صحافت کی شمع گل ہو گئی۔ ان کے انتقال کی خبر فوری شہر میں پھیل گئی اور ان کی میت کو ہسپتال سے عابد منزل منتقل کر دیا گیا جہاں گورنر جناب کرشن کانت، سابق گورنر بہار جناب یونس سلیم اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ممتاز شخصیتوں کے علاوہ علماء و مشائخین نے ان کا دیدار کیا۔ اور جناب زاہد علی خاں اور ان کے ارکان خاندان اور جناب مجتبیٰ حسین کو تعزیت پیش کی۔ قیامگاہ پر پہونچ کر پرسہ دینے والوں میں سی پی آئی کے اسٹیٹ سکریٹری مسٹر داسری ناگا بھوشن راؤ ارکان اسمبلی سی ایچ راجیشور راؤ، اسدالدین اویسی، مسٹر امان اللہ خان، سابق رکن پارلیمنٹ مسٹر بنڈارو دتاتریہ، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، مسٹر کے یل مہندرا، منوہر راج سکسینہ کے علاوہ ادیب، شاعر اور صحیفہ نگار شامل ہیں۔ تدفین آج رات بعد عشاء درگاہ حضرت شاہ خاموش رح میں عمل میں آئی۔ مولانا سید شاہ اکبر نظام الدین امیر جامعہ نظامیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے وقت سیاست کے ارکان اسٹاف کے علاوہ جگر صاحب کے بے شمار مداح موجود تھے۔ 79 سالہ جناب محبوب حسین جگر نے مجرد زندگی گذاری۔ وہ 1949ء میں روزنامہ سیاست کے آغاز سے ہی جائنٹ ایڈیٹر کی

حیثیت سے وابستہ رہے۔ انہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز آزادی سے قبل ایک اردو شاعر کی حیثیت سے کیا۔ بعد میں افسانے تخلیق کرنے لگے۔ وہ پروگریسیو رائٹرس اسوسی ایشن سے وابستہ تھے۔ اور 1946 میں انہوں نے حیدرآباد میں پروگریسیو رائٹرس کی کانفرنس منعقد کی۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے گریجویشن کی تکمیل کے بعد جگر صاحب کسٹمز ڈپارٹمنٹ سے وابستہ ہو گئے۔ بعد میں روزنامہ سیاست کی اشاعت کے آغاز کے لئے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ سیکولرازم کے فروغ میں نمایاں حصہ ادا کیا۔ وہ برصغیر میں اردو صحافت کے رجحان سازوں میں شامل تھے۔ انہوں نے کئی ایوارڈس حاصل کئے۔ ان میں 1993 میں ہارمنی ایوارڈ اور 1994 میں آل انڈیا اردو ایڈیٹرس ایوارڈ شامل ہیں۔ جگر صاحب کے بڑے بھائی جناب ابراہیم جلیس پاکستان کے روزنامہ مساوات کے ایڈیٹر تھے اور چھوٹے بھائی ممتاز مزاح نگار مجتبیٰ حسین نیشنل کونسل فار ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کے سابق ایڈیٹر ہیں۔ جناب محبوب حسین جگر حیدرآباد کی تہذیبی زندگی کی قوت محرکہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو پس پردہ رکھنے کی کوشش کی تام نمود سے دور رہے۔ ان کے جذبہ انکساری کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ انتقال سے چند دن قبل انہوں نے اپنے ملازم خاص کو ایک مُہر بند لفافہ حوالے کیا تھا۔ آج انتقال کے بعد جب اسے کھولا گیا تو یہ تحریر تھی۔ "میرے انتقال کی خبر صرف تین سطر میں دی جائے"۔

سیاست ۱۲ مارچ ۱۹۹۷ء

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبحِ محشر تک
مگر محفل سے پروانے تو رخصت ہوتے جاتے ہیں

عابد علی خان ۱۲ ر نومبر ۱۹۹۲ء کو اس دنیا سے چلے گئے اور آج ۱۱ ر مارچ کو محبوب حسین جگر نے آخری سانس لی۔ لیکن وہ دونوں جاتے جاتے ایک ادارہ چھوڑ گئے ہیں۔ جس کا فروغ صبح محشر تک جاری رہے گا۔ 1948ء کی بات ہے حیدرآباد کے مسلمان پریشان ہوکر نقل وطن کر رہے تھے اور جنھوں نے یہیں قیام کرنا مناسب سمجھا وہ سہمے ہوئے تھے سیاسی تبدیلیوں نے لوگوں کی زندگیاں تبدیل کر دی تھیں۔ ایسے وقت عوام کی ہمت بڑھانے اور انہیں ڈھارس دینے کی ضرورت تھی۔ لیکن اس کے لئے ذریعہ کیا ہو کسی کو پتہ نہیں تھا۔ عابد علی خاں اور محبوب حسین جگر نے مناسب یہ سمجھا کہ ایک اخبار نکالا جائے۔ اور مسلمانوں کو سمجھایا جائے کہ اسی ملک سے ان کی تقدیر وابستہ ہے۔ چنانچہ اخبار نکالنے کی اجازت حکومتِ وقت سے مانگی گئی اور اجازت تقریباً 8 ماہ بعد ملی۔ سیاست کی موجودہ جگہ کرایہ پر حاصل کی گئی اور ٹین کا شیڈ ڈالا گیا۔ مالیہ کی قلت نے کام میں رکاوٹ پیدا کی۔ مگر عابد علی خاں اور محبوب حسین جگر نے ہمت نہیں ہاری۔ ٹین کا شیڈ تیار ہوگیا اور وہیں ایک پرانا پریس اقساط پر خرید کر نصب کیا گیا۔ سیاست کا پہلا شمارہ 15 ر اگست 1949ء کو منظر عام پر آیا۔ 13 ر اگست کی رات محبوب حسین جگر کے لئے ایک یادگار رات تھی۔ دوسرے دن کام کرنے والے لوگ آنے والے تھے۔ انہوں نے فکر و نظر تیار کیا۔ ایک مضمون لکھا پھر اخبار سیاست نکالنے کی ضرورت اور اسباب پر اداریہ

لکھا اور پھر چند خبروں کا ترجمہ کیا۔ رات میں 2 بجے آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے ان کی آنکھ لگ گئی۔ لیکن جس طرح بچے عید کی رات سے قبل سرہانے اپنے نئے کپڑے رکھکر سو جاتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بھی شیروانی کے ایک جیب میں فکر و نظر دوسرے جیب میں مضمون نیچے کی ایک جیب میں اداریہ اور چوتھے جیب میں ترجمہ کی ہوئی خبریں رکھ لیں۔ لیکن ان کی نیند بھی پل دو پل کی تھی۔ اٹھ بیٹھے اور اخبار نکالنے کا انتظام کرنے لگے۔ محبوب حسین کے لئے کام ہی عبادت کا دوسرا نام تھا۔ وہ کام کرنے سے کبھی نہیں تھکتے تھے۔ اگر کوئی کسی کام کو ناممکن بتاتا تو وہ اس کام کو کر دکھاتے۔ ان کے قریبی دوست احباب کا خیال تھا کہ وہ اپنے آخری وقت میں بھی سیاست ہی کا کام کرتے رہیں گے۔ چنانچہ انتقال سے ایک دن قبل انہوں نے بی گوپال ریڈی کے انتقال پر ایک ذیلی اداریہ لکھا۔ بیماری کی وجہ سے ان میں نقاہت بے حد پیدا ہو گئی تھی۔ قلم پکڑا نہیں جارہا تھا، دماغ ساتھ نہیں دے رہا تھا پھر بھی انہوں نے ایک مختصر اداریہ لکھا۔ جب رفیع احمد قدوائی کا انتقال ہوا تو پنڈت نہرو نے کہا تھا "HE DIED IN HARNESS" یہی بات محبوب حسین جگر پر بھی صادق آتی ہے۔ دل بیٹھا جارہا تھا لیکن کام کی لگن بیمار دل پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ عید الفطر کے دن ہی دفتر سیاست میں بیٹھے بیٹھے ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ فوری کئی ڈاکٹر چلے آئے انہیں میڈی سیٹی میں شریک کرایا گیا۔ ڈاکٹروں نے انہیں PACE MAKER لگانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پیس میکر بھی لگا دیا گیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ محبوب حسین جگر زندگی سے ہر وقت لڑتے رہے اور آخری وقت

میں بھی موت سے لڑتے رہے۔ لیکن موت ہمیشہ غالب رہتی ہے اور زندگی کو ہار ماننی پڑتی ہے۔ محبوب حسین ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کا ایقان تھا کہ کام کرتے رہنے سے مصیبتیں قریب نہیں آتی ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں بھی انہوں نے دوسرے شخص کی موت پر اظہار تعزیت کیا۔ یہ اُن کی آخری تحریر تھی۔ اور زندگی کی ترجمان بھی تھی۔

عابد علی خاں اور محبوب حسین جگر کی ملاقات جامعہ عثمانیہ میں بی اے سالِ اول کی جماعت میں ہوئی۔ عابد علی خاں فلسفہ کے طالب علم تھے اور محبوب حسین جگر تاریخ کے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت جگر مرادآبادی کا پورے ہندوستان میں طوطی بول رہا تھا۔ جامعہ کے طالب علموں نے سمجھا کہ محبوب حسین جگر بھی ان ہی کے شاگرد ہیں اور استاد کے تخلص کی مناسبت سے اپنا بھی وہی تخلص رکھا ہے۔ لیکن محبوب حسین جگر شاعر نہیں تھے۔ انہیں افسانے لکھنے کا شوق تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا تھا۔ لیکن جب جگر صاحب صحیفہ نگار بن گئے اور سیاست ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تو انہوں نے افسانے بھی لکھنا چھوڑ دیا۔ سیاست سے وابستگی کے 48 سال کے دوران انہوں نے صرف ایک افسانہ لکھا تھا۔ روز کی طرح صبح میں وہ شیو کر رہے تھے کہ انہیں اپنی کنپٹی میں سفید بال نظر آیا۔ اور وہ سوچنے لگے کہ زندگی کی دوڑ دوسری جانب شروع ہوگئی ہے۔ یا شروع ہونے والی ہے۔ شیو کرکے انہوں نے افسانہ لکھنا شروع کیا اور ایک ہی نشست میں اس کو ختم کردیا۔ عنوان تھا "کنپٹی"۔ سیاست سے اپنی وابستگی کو انہوں نے اتنا پختہ کرلیا تھا کہ ان کے بعض دوست احباب اپنا نام تبدیل کرکے

محبوب حسین سیاست رکھنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ جگر صاحب نے زمانہ کے گرم و سرد کو چکھا تھا۔ انہوں نے اپنے اور سیاست کے لئے جو راستہ اختیار کیا تھا اس کو کبھی نہیں بدلا وہ اپنے ساتھی جرنلسٹوں کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ انسان کو اپنا راستہ نہیں بدلنا چاہیئے۔ جس راستہ کو اپنایا ہے اسی راستہ پر آخری وقت تک چلتے رہنا چاہیئے۔ 1946ء میں انجمن ترقی مصنفین کی کانفرنس ساگر ٹاکیز میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کے جنرل سکریٹری عابد علی خاں تھے اور محبوب حسین جگر کبھی کرسیوں پر کی گرد صاف کرتے تھے کہیں پینٹنگس لگاتے ہوئے نظر آتے۔ کانفرنس سے ایک دن قبل کئی ادیب اور شاعر حیدرآباد چلے آئے۔ ان میں کرشن چندر بھی شامل تھے۔ کانفرنس کے رپورتاژ "پودے" میں انہوں نے لکھا ہے کہ جب محبوب حسین جگر سے ان کا تعارف کرایا گیا تو وہ سوچنے لگے کہ جگر ہر جگہ جلا بھنا کیوں ملتا ہے۔ کانفرنس ختم ہو گئی اور تمام مندوبین جانے لگے۔ بمبئی جانے والی ٹرین میں محبوب حسین بھی سوار ہو گئے۔ کرشن چندر نے پوچھا کدھر جانے کا ارادہ ہے جواب دیا گلبرگہ سے تار آیا تھا کہ بہن کا انتقال ہو گیا ہے۔ کانفرنس کی وجہ سے جا نہ سکا۔ اب جا رہا ہوں تاکہ اس کی قبر پہ کم از کم فاتحہ پڑھ سکوں۔ کرشن چندر نے محبوب حسین جگر زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ انہوں نے "پودے" میں لکھا ہے کہ ایک ایسا بھی نوجوان ہے جس کی بہن مر گئی وہ اس کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکا۔ چونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ غالب زندہ رہے اقبال زندہ رہے اردو زندہ رہے اور ہماری تہذیب زندہ رہے۔ یہ تھے محبوب حسین جگر جن کے کردار کے اس پہلو کو کرشن چندر نے دو چار جملوں میں پیش کر کے اس کو جاودانی حیثیت دیدی ہے۔ غالباً 1959ء

میں محبوب حسین جگر نے ایک مشاعرہ منعقد کیا تھا۔ جس میں بعض لوگ مفت داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان میں حیدرآباد کا ایک شاعر بھی شامل تھا۔ محبوب حسین جگر نے ان سب کو پیچھے ڈھکیل دیا لیکن دوسرے دن سوچنے لگے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ انہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس سے ہمہ مقصدی مشاعروں کا دور شروع ہو گیا اور ادیبوں و شاعروں کی مدد کی جانے لگی۔ کئی ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کو وہ شائع نہیں کر سکے لیکن انہوں نے محنت کا معاوضہ پہلے ہی ادا کیا۔ جگر صاحب ایک مخصوص کردار کے حامل تھے۔ کسی زمانہ میں پان بہت چباتے تھے اور چار مینار سگریٹ کے مرغولے چھوڑتے رہتے تھے۔ ایسے وقت کوئی ناخوشگوار بات پیش آتی تو وہ ہر چیز کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ پان پر پان چباتے۔ دونوں پیر اوپر کر لیتے اور ایک کے بعد دوسرا سگریٹ سلگانا شروع کر دیتے۔ اخبار سیاست کے معاملہ میں وہ بڑے بے مروت تھے۔ کبھی کسی غلطی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس مسئلہ پر اپنے ساتھی کارکنوں سے ان کی کئی مرتبہ بحث بھی ہوئی۔ عابد علی خاں کے بعد محبوب حسین جگر کی موت سے ایک قدیم دور ختم ہو گیا۔ اس بارے میں کہا ہی کیا جا سکتا ہے

اُٹھ گئے دنیا سے سب اہل ذوق   ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

ہاشم سعید - سیاست ۱۲ مارچ ۱۹۹۷ء

■ 13 مارچ کی شام شکاگو سے حسن چشتی صاحب اور زین الدین صدیقی صاحب نے ٹیلیفون پر یہ اطلاع دی کہ میرے کالج اور ہاسٹل کے ساتھی محترم بھائی محبوب حسین جگر کا منگل کے دن انتقال ہو گیا ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

۹ مارچ کی شام مجھے بھائی جگر کا ایک فیکس ملا تھا جس میں انہوں نے اپنی خرابیٔ صحت کا ذکر کیا تھا اور PACE MAKER لگائے جانے کی اطلاع دی تھی اور یہ امید ظاہر کی تھی کہ وہ دو چار دن میں گھر واپس چلے جائیں گے۔ میں نے فوراً فیکس کے ذریعہ انہیں لکھا تھا کہ میرے پیس میکر کو لگے ہوئے چھ سال ہو چلے ہیں اور دعا کی تھی کہ وہ جلد صحت یاب ہو جائیں۔ آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ انہوں نے اپنی تکلیف کے وقت اور شائد زندگی سے ناامیدی کے کٹھن لمحے میں مجھے نہ صرف یاد کیا بلکہ اس کی اطلاع بھی دی۔ میں ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ اس غمگین خبر سے جو صدمہ ہوا وہ کسی قریبی عزیز کی موت کے صدمے سے کم نہیں تھا اور دو گھنٹے تک خاموشی کے دوران مجھے وہ ساری باتیں یاد آ گئیں جو 1940 سے ان سے پہلی ملاقات کے بعد سے شروع ہوئی تھیں۔ 1940-41 کے تعلیمی سال میں وہ گلبرگہ سے انٹرمیڈیٹ کر کے جامعہ عثمانیہ میں بی اے میں شریک ہوئے اور اقامت خانہ عارضی اسی ہاسٹل میں ایک اور محترم دوست عابد علی خاں مرحوم کے روم میٹ بنے۔ میں بھی اس وقت سائنس کے تھرڈ ایر میں تھا اور ہاسٹل میں ان کے قریب ہی کے کمرے میں رہتا تھا۔ یہ دونوں ہاسٹل کے نفیس اور مہذب لڑکوں میں شمار ہوتے تھے اور ترقی پسند گروپ سے ان کا تعلق تھا۔ ہاسٹل کے ساتھیوں سے ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے اور ان دونوں کی دوستی اس وقت بھی مثالی سمجھی جاتی تھی۔ 43ء میں گریجویشن کے بعد ان دونوں نے تعلیم ترک کر دی اور 49ء میں جب عابد علی خاں نے اخبار سیاست شروع کیا تو بھائی جگر شریک مدیر کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور عابد ہی

کے ساتھ رہنے لگے ۔ انہوں نے اخبار کے لئے ساری زندگی وقف کردی تھی اور ہندوستان کے مایہ ناز صحافیوں میں شمار ہونے لگے تھے لیکن نام ونمود اور شہرت سے بہت دور رہنا چاہتے تھے ۔ انکساری کا یہ حال تھا کہ اگر عابد ان کی تعریف بھی کرتے تو ان کو شرمندگی محسوس ہوتی تھی اور ہمیشہ پس منظر میں رہنے کو ترجیح دیتے تھے ۔ ان دونوں کی بے مثال دوستی شائد ہی کہیں دیکھنے کو ملتی ہے ۔ ایسے دوست جو ایک دوسرے کے ہم راز ہوں جو بے خوف مشورہ دے سکیں اور کام میں پوری طرح ساتھ دیں ۔ پریشانی کے وقت ہمت افزائی کریں ۔ طبیعتوں کے اونچ نیچ کو سہہ لیں ۔ ایک دوسرے کی باہمت مدافعت کریں اور مروت اور محبت میں کبھی فرق نہ آنے دیں ۔ ایسی دوستی قدرت کا ایک شاہکار ہوتی ہے اور اسکی خوشبو دیر تک باقی رہتی ہے ۔ خدا ان دونوں کو جنت نصیب کرے اور ان کی یہ بے مثال دوستی عالم بالا میں بھی قائم رہے ۔

ہاشم علی اختر ۔ سیاست ۱۶ ؍ مارچ ۹۷ء

■ ایسے دیدہ ور، نبض شناس وقت، با صلاحیت، اپنی بھرپور شناخت کے ساتھ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو سرفراز کرنے والے لوگ برسوں بعد پیدا ہوتے ہیں ۔ سرزمین حیدرآباد برسوں جس فرزندِ دکن کو یاد کرتا رہے گی وہ روشن ترین نام جناب محبوب حسین جگر کا بھی ہے جنکی ساری زندگی اردو زبان، اردو صحافت، اردو تہذیب کی خدمت میں گذر گئی ۔ ان کی حیاتِ تابندہ کا ہر لمحہ ان تمام لوگوں کے لئے ایک مینارۂ نور ہے جو بامراد وخوشگوار زندگی کے لئے سرگرم عمل رہا کرتے ہیں ۔ جناب محبوب حسین جگر ہمارے شہر کی ایک ایسی بے مثال نامور شخصیت تھے جنکے سانحہ ارتحال پر ہر وہ شخص جو معاشرہ کی مثبت

اقدار کی پاسداری کیا کرتا ہے اشک بار دکھائی دیتا ہے۔ یہ ملے جلے تاثرات ان دانشوران محفل فکر و دانش کے ہیں جنہوں نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے تعزیتی جلسے میں جناب محبوب حسین جگر جوائنٹ ایڈیٹر سیاست کو بھرپور خراج پیش کیا۔ جسکی صدارت صدر ادارہ ادبیات اردو پروفیسر جعفر نظام (سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی ورنگل نے کی۔ جو ۱۶ مارچ کو مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں منعقد ہوا تھا۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر سید عبدالمنان۔ صدر انجمن ترقی اردو، جناب ولی قادری سینئر انجینئر جناب خلیل الرحمن سابق رکن پارلیمنٹ، ڈاکٹر وزارت رسول خاں چیف پرموٹر شاداں ایجوکیشنل سوسائٹی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، ڈاکٹر صادق نقوی، صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ، جناب کبیر احمد ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو، غلام صادق الدین جنرل سکریٹری اولڈ سٹی بس کمیٹی، سعید بھائی (الفلاح کمیٹی) نے شرکت کی۔ صدر ادارہ جناب صلاح الدین نیر نے قرارداد تعزیت پیش کی۔ جناب صلاح الدین نیر نے سیاست سے اپنی ۳۶ سالہ دیرینہ رفاقت پر پُراثر انداز میں روشنی ڈالی۔ معتمد عمومی ادارہ جناب رئیس اختر ناظم اجلاس تھے جنہوں نے محبوب حسین جگر کو بھرپور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ جناب مومن خان شوق معتمد ادارہ معاون و ناظم اجلاس تھے۔ پروفیسر جعفر نظام نے کہا کہ محبوب حسین جگر جیسی تحریکاتی پُروقار شخصیت کی کمی ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی۔ اخبار "سیاست" کے لئے انہوں نے اپنے دل کی گرمی جگر کی حرارت اور دماغ کی شگفتگی وقف کردی تھی۔ ان کے کارنامے ان کی خدمات اور ان کی حیدرآبادی گنگا جمنی تہذیب سے وابستگی

برسوں یاد کی جاتی رہے گی۔ ڈاکٹر سید عبد المنان نے کہا کہ محبوب حسین جگر سے ان کے برادرانہ تعلقات تھے۔ جنکی شخصیت کا ایک ایک پہلو آئینہ حقیقت بن کر تہذیبی اقدار کو چمکاتا رہا۔ انہوں نے کہا کہ جناب محبوب حسین جگر اور جناب عابد علی خان کی دوستی کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ ان دونوں کی ہم خیالی نے سیاست اخبار کو آسمان کی بلندیوں تک پہونچادیا۔ اخبار "سیاست" ان دونوں کا ایک عظیم ورثہ ہے جس کو ہر وہ شخص اپنا ورثہ سمجھتا ہے جو اپنی زبان اور اپنی تہذیب کا پرستار ہے۔ جناب ایم باگلا ریڈی نے جگر صاحب کو بھرپور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی صحافتی خدمات کو مینارۂ نور قرار دیا۔ جناب ڈاکٹر وزارت رسول خان نے کہا کہ جگر صاحب سے اور جناب عابد علی خاں صاحب سے ان کے خاندانی مراسم تھے۔ ان دونوں محترم شخصیتوں نے میری علمی و تعلیمی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کی۔ جناب خلیل الرحمٰن نے کہا کہ جگر صاحب شہر کی علمی، ادبی، تہذیبی و ثقافتی، اداروں، انجمنوں کی دل کھول کر سرپرستی کیا کرتے تھے۔ ایسی روشن خیال شخصیت کی کمی ہر دور میں محسوس کی جاتی رہے گی۔ جناب کبیر احمد نے جگر صاحب کی صحافتی خدمات اور ان کی شخصیت پر پر اثر مضمون پڑھا۔ ڈاکٹر صادق نقوی نے کہا کہ جگر صاحب شاعروں، ادیبوں اور اردو کا کام کرنے والوں کے لئے ایک مسیحا تھے۔

سیاست ۱۸ مارچ ۹۷ء